بارگاہِ سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا

ماہنامہ

منادی

نئی دہلی

اگست 2025

©https://www.khwajanizami.life

مُنَادِیًا یُّنَادِی لِلاِیمَانِ

مُنادی کرنے والا با آواز بلند ایمان کی طرف بُلا رہا ہے۔(سورۃ آل عمران:193)

بارگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ سے

ایمان اور امن کی ندا دینے والا

اور ان کے جانشین

امام المشائخ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ اور حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلیؒ کی یادگار

ماہنامہ منادی نئی دہلی

اگست 2025

جلد : 03 شمارہ : 09

مدیر اعلیٰ : خواجہ سید محمد نظامی

مدیر : عبدالملک نظامی

نائب مدیر : خواجہ سید محمد شافی نظامی

اعزازی مدیر : ملا درویش محی الدین خالد نظامی، ادونی

کمپوزنگ : اساک آرٹس اینڈ گرافکس، ناندیڑ

سرورق ڈیزائن : حافظ محمد رفیق احمد نظامی، ادونی

ای میل : amaliknizami@gmail.com

دفتر کا پتہ : خواجہ ہال، بستی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، نئی دہلی۔13

رابطہ : 919810020922،919673379359

رسالے میں شامل مواد قلمکار کی اپنی رائے ہے۔اس سے ادارہ منادی یا اس کے مدیران کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

© https://www.khwajahasannizami.life

فہرست

الفاتحہ	--------	04
شبد(اقوال)حضرت بابا فریدؒ۔۔	سردار کرپال سنگھ بیدار	05
راحت القلوب	تالیف : سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ	17
	ترجمہ : حضرت سید ملا واحدی نظامی دہلوی	
نظم الہام	حضرت اکبرالہ آبادی	24
پردہ پوشی (محرم کا دوسرا تبلیغی خطبہ)	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	27
سلسلہ چشتیہ کی انفرادیت	حضرت خواجہ حسن ثانی نظامیؒ	33
ہندوستان میں قومی یکجہتی کی روایت	عالی جناب بشمبر ناتھ پانڈے	36
خطوط اکبر بنام خواجہ حسن نظامیؒ۔ایک جائزہ	عبدالملک نظامی	62
حلقہ نظامیہ	-----	71

اللھمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمولَانا حمدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنا وَمولَانا مُحمَدٍ وَبَارِكَ وَسَلَّم

اے اللہ درود بھیج ہمارے آقا اور مولیٰ محمد ﷺ پر اور ہمارے آقا و مولیٰ محمدﷺ کی آل پر اور برکتیں عطا فرما اور سلام پہنچا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ارشاد کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔اللہ تعالےاس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے۔(مسلم مشکوۃ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کی دس برائیاں دور ہوتی ہیں۔اور اس کے دس درجے بلند ہوتے ہیں۔(نسائی مشکوۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی شخص کہ سلام بھیجے مجھ پر مگر پھیر دیتا ہے اللہ میری طرف میری روح کو یہاں تک کہ میں جواب دیتا ہوں اس سلام کا!(ابوداؤد بیہقی مشکوۃ)

© https://www.khwajahasannizami.life

شروع بنام اللہ قلم کار کُل

نحمدہٗ ونُصلی علیٰ رسولہ الکریم

الفاتحہ

از: حضرت خواجہ میر دؔرد دہلویؒ

ارض و سما، کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

وحدت میں تیری، حرف دوئی کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال ، تجھے منہ دکھا سکے

میں وہ فنا وہ ہوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقش قدم کی طرح نہ کوئی اٹھا سکے

قاصد ! نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
اس کا پیام ، دل کے سوا کون لا سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں دے اگر تو بھلا سکے

یا رب! یہ کیا طلسم ہے، ادراک وفہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے :

گو بحث کرکے بات بٹھائی بھی کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف ، اگر تو اٹھا سکے

اطفائے نازِ عشق، نہ ہو آب اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مست شراب عشق وہ بے خود ہے، جس کو حشر
اے دؔرد! چاہے لائے بہ خود پھر نہ لا سکے

☆☆☆☆☆☆

شبد (اقوال)

حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ

گورو گرنتھ صاحب سے ترجمہ

از: سردار کرپال سنگھ بیدار

(بشکریہ: ماہنامہ منادی نئی دہلی، جلد ۷۹ شمارہ ۱۱، نومبر ۲۰۰۵ء)

منجانب: جماعت نظامیہ ناندیڑ

ناظم:- الحاج محمد جیلانی خاں صاحب نظامی

خسرو نگر، دیگلور ناکہ، ناندیڑ

۲۰۰۸ء میں گروتا گدی پروگرام میں شائع کیا گیا۔

حضرت بابا شیخ فریدؒ کے اقوال کا اُردو ترجمہ

شلوک نمبر 1: جس دن لڑکی نے دلہن بن کر رخصت ہونا ہے (زندگی کا خاتمہ ہونا ہے) وہ پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔ موت کا فرشتہ جس کی نسبت کانوں نے سُن رکھا ہے، آئے گا، اپنا منہ دکھائے گا اور ہڈیوں کو توڑ مروڑ کر عاجز و بیکس جان کو نکال لے جائے گا۔ اپنی جان کو یہ سمجھا دے کہ موت کا مقررہ وقت ٹل نہیں سکے گا۔ زندگی دلہن ہے، موت دولہا ہو جو اسے بیاہ کر لے جائے گا۔ دلہن (جان) کو خود اپنے ہاتھ سے رخصت کر کے جسم کس کے گلے لگ کر روئے گا۔ کیا تو نے نہیں سنا کہ پُل صراط بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ اے فرید! دوزخ میں پڑے ہوئے لوگوں کی چیخ پکار کان میں آرہی ہے ہوشیار کہیں تو بے خبری میں مارا نہ جائے؟

شلوک نمبر 2: اے فرید! خدائی دروازے کی درویشی ایک مشکل کام ہے اور میری روش دنیا داروں جیسی ہے۔ میں نے دُنیاداری کی گٹھڑی اٹھائی ہوئی ہے، اسے پھینک کر کہاں جاؤں۔

شلوک نمبر 3: مجھے کچھ سوجھ بوجھ نہیں اور دنیا ایک چھپی ہوئی آگ ہے۔ میرے مالک نے مجھے اس آگ سے بچا کر مجھ پر احسان کیا ورنہ میں اس میں جل جاتا۔

شلوک نمبر 4: اے فرید! اگر مجھے علم ہوتا کہ تل تھوڑے ہیں تو مٹھی سنبھل کر بھری جاتی (اگر مجھے علم ہوتا کہ زندگی کے انفاس گنتی کے ہیں تو انہیں رائیگاں نہ گزارا جاتا)

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرا مالک نا پختہ عمر کا ہے تو غرور میرے دل میں راہ کم پاتا۔

شلوک نمبر 5: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ پیار کا بندھن کمزور ہے تو اسے سخت گانٹھ دے کر مضبوط کر دیا جاتا، میں نے ساری دنیا میں جستجو کی لیکن تجھ سا کسی کو نہ پایا۔

شلوک نمبر 6: اے فرید! تیری عقل لطیف ہے، تو اپنے اعمال نامے کو سیاہ نہ کر، ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ

© https://www.khwajahasannizami.life

(تیرے اعمال کیا ہیں؟)

شلوک نمبر7: اے فرید! جو تجھے گزند پہنچائیں تو انہیں بدلے میں گزند نہ پہنچا، بلکہ ان کے قدم چوم کر اپنے گھر کو جا۔

شلوک نمبر8: اے فرید! جب نیک کمائی کا زمانہ تھا اس وقت تو دنیا کے دھندوں میں لگا رہا اب موت کی بنیاد پختہ ہو چکی ہے۔(موت یقینی ہوگئی ہے۔)

جب تیرا پشتارہ بھر جائے گا (انفاس پورے ہو جائیں گے) تو تجھے دنیا سے کوچ کرنا ہوگا۔

شلوک نمبر9: اے فرید! جو کچھ بیت چکی ہے، اسے دیکھ ڈاڑھی سفید ہوگئی، انجام قریب آگیا ہے آغاز پیچھے رہ گیا ہے۔

شلوک نمبر10: اے فرید! جو کچھ ہو چکا ہے اسے دیکھ شکر زہر بن گئی ہے۔ میں اپنا یہ دکھ اپنے مالک کے بغیر کس سے کہوں۔

شلوک نمبر11: اے فرید! آنکھیں دنیا کے نظارے دیکھ دیکھ کر کمزور ہو چکی ہیں، کان بہرے ہوگئے ہیں، جسم بوڑھا ہو کر اور سے اور رنگ بدل رہا ہے۔

شلوک نمبر12: اے فرید! جن لوگوں نے سیاہ بالوں کی موجودگی میں (جوانی کے زمانے میں) اپنے مالک سے پیار نہ کیا وہ سفید بالوں کے ساتھ (بڑھاپے میں) اسے کیا یاد کریں گے۔

تو اپنے مالک سے پیار کر یہ پیار ہمیشہ نیا رہے گا۔

شلوک نمبر13: (یہ شلوک گورو امر داس جی کا ہے جو توضیحی نوعیت کا ہے۔)

اے فرید! اگر کوئی انسان بندگی کرے تو جوانی میں بھی اور بڑھاپے میں بھی وہ اپنے معبود سے مل سکتا ہے۔ لیکن بندگی کا یہ جذبہ اس کی اپنی کوشش اور خواہش سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ پیار کا پیالہ مالک کا اپنا ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

شلوک نمبر14: اے فرید! جن آنکھوں نے دنیا کو فریفتہ کر رکھا تھا وہ میں نے دیکھ لیں۔ پہلے تو وہ کاجل کی دھاری بھی برداشت نہیں کر سکتی تھیں اور اب ان میں پرندوں کے بچوں کا نشیمن ہے۔

شلوک نمبر15: اے فرید! خواہ کتنا ہی پکار پکار کر کہا جائے اور کتنی ہی نصیحتیں کی جائیں۔ جن لوگو کو شیطان نے بگاڑ رکھا ہے وہ کبھی سدھر نہیں سکتے۔ ان کے دل بدی سے پھر نہیں سکتے۔

شلوک نمبر16: اے فرید! اگر تو مالک کُل کا طالب ہے تو راستے کی دوب (چھوٹی قسم کی عمدہ گھاس جو زمین پر جال کی شکل میں پھیلتی ہے) بن جا جس کا کوئی تنکا ٹوٹ جاتا ہے اور کوئی پاؤں تلے روندا جاتا ہے۔ ایسا بن جانے پر تو مالک کے دروازے پر مقبول ہو جائے گا۔

شلوک نمبر17: اے فرید! خاک کو بُرا نہیں کہنا چاہئے۔ اس کے برابر کوئی چیز نہیں۔

جب تک ہم زندہ ہیں خاک ہمارے پاؤں تلے ہوتی ہے، جب مر جاتے ہیں تو یہ ہمارے اوپر ہوتی ہے۔

شلوک نمبر18: اے فرید! ہوس کی موجودگی میں پیار کہاں، ہوس تو جھوٹا پیار ہے۔ چھپّر بارش سے ٹوٹ جائے تو اس میں کب تک گزارا ہو سکتا ہے۔ (ہوس ٹوٹے ہوئے چھپّر کی طرح ہے۔)

شلوک نمبر19: اے فرید ! تو جنگل جنگل کیا پھر رہا ہے، کانٹے کیوں روندتا پھرتا ہے۔ خدا تیرے دل میں مقیم ہے، جنگلوں میں جستجو سے کیا فائدہ ؟

شلوک نمبر20: اے فرید! میں ان چھوٹی چھوٹی ٹانگوں کے ساتھ تھلوں اور پہاڑوں میں گھوم آیا لیکن آج یہ کوزہ (جو مجھ سے کچھ فاصلے پر پڑا ہے۔ سینکڑوں کوس دور دکھائی دیتا ہے (جوانی کے زمانے میں گھوم پھر کر دنیا کے نشیب و فراز کو بہت کچھ دیکھ آیا لیکن اب بڑھاپے میں جبکہ نقاہت غالب آ گئی ہے، پاس پڑا ہوا کوزہ بھی بہت دور دکھائی دیتا ہے۔)

شلوک نمبر21: اے فرید! یہ جدائی کی راتیں لمبی ہیں، پہلو بدلتے بدلتے دکھنے لگے ہیں۔ ان لوگوں کی زندگی پر لعنت ہے جو اپنے مالک کو چھوڑ کر بیگانوں سے آس لگائے بیٹھے ہیں۔

شلوک نمبر22: اے فرید! اگر میں دوستوں سے کوئی بات چھپا کر رکھوں تو میرا جسم یوں جلنے لگتا ہے جیسے وہ سرخ انگاروں پر رکھا ہے۔

شلوک نمبر24: اے فرید ! جاٹ (کسان) کیکر بوتا ہے لیکن اس سے بجور کے انگور کھانا چاہتا ہے، وہ اون کاتتا پھرتا ہے لیکن ریشم پہننے کا آرزومند ہے۔ (نوٹ: بجور = افغانستان کے ایک علاقے کا نام جو خوش ذائقہ انگوروں کے لئے مشہور ہے۔)

شلوک نمبر24: اے فرید! گلی میں کیچڑ ہے محبوب سے میرا پیار ہے، اس کا گھر دور ہے، اگر میں جاؤں تو کملی بھیگ جائے گی، اور اگر نہ جاؤں تو پیار ٹوٹ جائے گا۔

شلوک نمبر25: کملی بے شک جائے، خدا بیشک مینہ برسائے۔ میں اپنے محبوب سے جا کر ضرور ملوں گا تا کہ پیار نہ ٹوٹے۔

شلوک نمبر26: اے فرید! مجھے اپنی پگڑی کی فکر رہتی ہے کہ کہیں میلی نہ ہو جائے۔ میرے نادان دل کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مٹی سر کو بھی کھا جائے گی۔

شلوک نمبر27: اے فرید! شکر، کھانڈ، مصری، گڑ، شہد اور بھینس کا دودھ، یہ سب میٹھی چیزیں لیکن عشق ربّانی کی لذت تک نہیں پہنچ سکتیں۔

شلوک نمبر28: اے فرید ! میری روٹی کاٹھ کی ہے۔ (روکھی سوکھی ہے۔) جس کا سالن میری بھوک ہے۔ جن لوگوں نے چکنی چپڑی کھائی ہے وہ دُکھ بھی زیادہ برداشت کریں گے۔

شلوک نمبر29: اے فرید! روکھی سوکھی کھا کر ٹھنڈا پانی پی لے۔ دوسرے کی چکنی چپڑی دیکھ کر اپنے دل کو نہ ترسا۔

شلوک نمبر30: میری تو صرف آج ہی اپنے پیارے سے

© https://www.khwajahasanrizami.life

ہمخوابی نہ ہوئی اور میرا انگ انگ ٹوٹ رہا ہے۔کوئی اس بد نصیب عورت سے جسے اس کے شوہر نے چھوڑ رکھا ہو، جا کر یہ پوچھے کہ تمہاری راتیں کیونکر بسر ہوتی ہیں۔

شلوک نمبر 31: وہ عورت صرف نام کی سہاگن ہے جسے نہ سُسرال میں اور نہ میکے میں پناہ ملتی ہے اور جس کا شوہر اس کی ذرا خبر گیری نہیں کرتا۔

شلوک نمبر 32: (یہ شلوک گورونانک جی کا ہے اور اسے شیخ فریدؒ کی مندرجہ بالا شلوک کی تفصیل سمجھنا چاہئے) اے نانک! کتنی خوش قسمت ہے وہ سہاگن جو اپنے بے نیاز مالک کو پسند ہے، وہ سُسرال اور میکے میں اپنے مالک ہی کی ہو کر رہتی ہے، وہ مالک جو غیر محدود اور رسائی سے پرے ہے۔

شلوک نمبر 33: جو عورت نہا دھو کر اور بناؤ سنگار کر کے (اپنے شوہر کے انتظار میں جاگنے کی بجائے) بے فکر ہو کر سو جاتی ہے وہ گویا ہینگ میں لتھڑی رہ جاتی ہے اور کستوری کی خوشبو گنوا بیٹھتی ہے۔

شلوک نمبر 34: اگر مالک سے میرا پیار نہ ٹوٹے تو مجھے اپنی جوانی کے گزر جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ اے فرید! پیار سے خالی کتنے ہی جوبن کُملا کر سوکھ گئے ہیں۔

شلواں نمبر 35: اے فرید! فکر مندی میری کھٹیا ہے، دُکھ بان (چارپائی بننے کے رسیاں) ہے، جدائی بستر ہے، یہ میری زندگی ہے۔اسے سچے مالک! ذرا میرا حال دیکھ؟۔

شلوک نمبر 36: ہر کوئی ہجر کی شکایت کرتا ہے۔لیکن ہجر میرے لئے بادشاہ ہے، اے فرید! جس تن میں ہجر کا درد پیدا نہیں ہوتا، اُسے شمشان سمجھ!

شلوک نمبر 37: اے فرید! دنیا کے یہ عیش و عشرت کے سامان زہر سے بھری ہوئی ڈنڈیاں ہیں جن پر کھانڈ چڑھی ہے کئی لوگ ان کو بوتے ہی رہ گئے اور کئی بوئی ہوئی ڈنڈیوں کو جڑ سے اکھاڑ گئے۔

شلوک نمبر 38: اے فرید! تو نے چار پہر ادھر اُدھر بھٹک کر گزار دیئے، چار پہر کو ضائع کر دیئے، خدا تجھ سے پرسش کرے گا کہ تو دنیا میں کس کام کے لئے آیا تھا۔

شلوک نمبر 39: اے فرید! کیا تو نے کسی دروازے پر گھڑیال دیکھا ہے؟۔جب وہ بے گناہ ہی مارا پیٹا جا رہا ہے تو ہم گنہ گاروں کا کیا حشر ہو گا؟

شلوک نمبر 40: گھڑیال کو ہر گھڑی کے بعد مار پڑتی ہے، ہر پہر کے بعد پیٹا جاتا ہے۔انسانی جسم گھڑیال کی طرح ہے جس کی رات دکھوں میں کٹتی ہے۔

شلوک نمبر 41: شیخ فرید بوڑھا ہو گیا ہے اس کا جسم کانپنے لگا ہے۔اگر کوئی سو سال تک بھی زندہ رہے تو اس کا جسم آخر مٹی ہو کر رہے گا۔

شلوک نمبر 42: اے میرے مالک! مجھ فرید کی یہ تجھ سے دعا ہے کہ مجھے کسی غیر کے دروازے پر نہ بٹھا (کسی غیر کا

دست نگر نہ بنا) اگر تو نے مجھے یونہی رکھنا ہے تو میرے جسم سے جان نکال لے۔

شلوک نمبر 43: کندھے پر کلہاڑا اور سر پر پانی کا گھڑا رکھے لوہار جنگل کا درخت کاٹنے جا رہا ہے۔ فرید کہتا ہے۔ اے لوہار! میں تو جنگل میں اپنا مالک تلاش کر رہا ہوں اور تجھے کوئلوں کی تمنا ہے۔ (لوہار درخت کاٹ کر جلائے گا اور کوئلے بنائے گا۔)

شلوک نمبر 44: اے فرید! بعض لوگوں کے پاس آٹا زیادہ ہے (دنیاوی نعمتوں کی فراوانی ہے۔) بعضوں کے پاس نمک بھی نہیں آگے جا کر (عاقبت میں) معلوم ہو جائے گا کہ مار کسے پڑتی ہے۔

شلوک نمبر 45: جن کے پاس نقارے تھے، جن کے سر پر چھتر تھے، جن کی شان وشوکت کی شہنائیاں بجتی تھیں، وہ بھی آخر کار قبروں میں جا سوئے اور یتیموں کے ساتھ جا ملے۔

شلوک نمبر 46: اے فرید! مکان، محل اور بالا خانے تعمیر کرنے والے بھی رخصت ہو گئے۔ انہوں نے جھوٹا کاروبار کیا اور انجام کار قبروں میں جا بسے۔

شلوک نمبر 47: اے فرید! گدڑی کو کئی ٹانکے لگے ہوئے ہیں لیکن جان کو ایک بھی ٹانکا نہیں۔ (جان گدڑی سے بھی گئی گزری اور کم دیر پا چیز ہے، خدا معلوم کس وقت جسم سے جدا ہو جائے) بڑے بڑے بزرگ اور شیخ اپنی اپنی باری آنے پر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

شلوک نمبر 48: اے فرید! دونوں چراغوں کے روشن ہوتے ہوئے بھی (دونوں آنکھوں کے سامنے ہی) موت کا فرشتہ آ بیٹھا، اس نے قلعہ (جسم) پر قبضہ کر لیا، زندگی لوٹ لی اور چراغ بجھا کر چل دیا۔

شلوک نمبر 49: اے فرید! ذرا دیکھ کہ کپاس کی کیا حال ہوتی ہے کپاس کو بیلنے میں سے گزرنا پڑتا ہے) تلوں پر کیا افتاد پڑتی ہے۔ (تلوں کو کولھو کی اذیت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ کماد، کاغذ، مٹی کی ہانڈی اور کوئلوں پر کیا آفت آتی ہے۔ یہ سزا ان کی ہے جن کے اعمال بُرے ہوتے ہیں۔

شلوک نمبر 50: اے فرید! تیرے کندھے پر مصلیٰ ہے، جسم پر صوفیوں کا سیاہ اونی جامہ ہے، تیرے منہ میں گڑ ہے (تو زبان سے میٹھی باتیں کرتا ہے۔) لیکن دل میں قینچی ہے۔ باہر تو روشنی دکھائی دیتی ہے لیکن دل کے اندر کالی رات ہے۔

شلوک نمبر 51: اے فرید! جو لوگ خدائی عشق میں رنگے ہیں، ان کے تن میں لہو نہیں ہوتا، ان کے جسم کو چیرا جائے تو ذرا بھی لہو نہیں نکلتا؟

شلوک نمبر 52: (یہ شلوک گورو امر داس کا ہے اور بابا فریدؒ کے مطالب کی مزید توضیح ہے)

یہ سارا جسم لہو ہے، لہو کے بغیر جسم زندہ نہیں رہ سکتا، جو لوگ خدائی عشق میں رنگے ہیں۔ ان کے جسم میں لالچ کا

©https://www.khwajahasannizami.life

خون نہیں ہوتا اگر خوف خدا دل میں رہے تو جسم کمزور ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں لالچ کا خون باقی نہیں رہتا جس طرح آگ دھات کو پاک و صاف کر دی ہے، اس طرح خوف خدا بُری عقل کی آلودگی کو دور کر دیتا ہے۔ اے نانک! وہ لوگ سرخ رُو ہیں جن کو خدائی عشق نے رنگا ہے۔

شلوک نمبر 53: اے فرید! اس خوبصورت تالاب کی تلاش کر جس میں تجھے مطلوبہ چیز (موتی) مل جائے۔ جوہڑ کی تلاش سے کیا حاصل ہوگا۔ وہاں تو ہاتھ کیچڑ سے آلودہ ہو جائیں گے۔

شلوک نمبر 54: اے فرید! جس جوان عورت نے اپنے شوہر سے پیار کا لطف نہ آیا وہ جب بوڑھی ہو کر مرگئی تو قبر میں اس نے گریہ وزاری کی کہ افسوس میں اپنے مالک سے وقت پر ملنے سے قاصر رہی۔

شلوک نمبر 55: اے فرید! سر کے بال سفید ہو گئے۔ داڑھی سفید ہوگئی، مونچھیں بھی سفید ہوگئیں۔ اے غافل اور نادان تو ابھی تک رنگ رلیاں منا رہا ہے!

شلوک نمبر 56: اے فرید! کوٹھے پر دوڑ کب تک؟ (حصول مقصد کے لئے یہ معمولی اور محدود تگ و دو کب تک) یہ جو تو اپنے مالک سے غافل ہو کر سو رہا ہے، اسے چھوڑ دے۔ زندگی کے جو گنتی کے دن تجھے ملے ہیں وہ بہت جلد گزرتے جارہے ہیں۔

شلوک نمبر 57: اے فرید! ان مکانوں اور محلوں سے دل نہ لگا۔ قبر میں جب تو بے اندازہ مٹی کے نیچے ہوگا تو کوئی بھی تیرا مددگار نہ ہوگا۔

شلوک نمبر 58: اے فرید! محلات اور مال و دولت سے پیار نہ کر، بلکہ جابر موت کا خیال کر! اس جگہ (قبر) کا تصور کر جہاں تجھے آخر کار جانا ہے۔

شلوک نمبر 59: اے فرید! جن کاموں میں تیری بھلائی نہیں انہیں فراموش کر دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تجھے خدا کے دربار میں شرمندہ ہونا پڑے۔

شلوک نمبر 60: اے فرید! اپنے مالک کی بندگی کر، دل سے وسوسے نکال دے۔ درویشوں کو ایسا صبر چاہئے جیسا کہ درختوں میں ہوتا ہے۔ (درخت کو کوئی کاٹے تو وہ کاٹنے والے سے بھی اپنا سایہ دریغ نہیں رکھتا۔)

شلوک نمبر 61: اے فرید! میرے کپڑے سیاہ ہیں، میرا بھیس سیاہ ہے۔ میں گناہوں سے بھرا ہوا ہوں لیکن لوگ مجھے درویش کہتے ہیں۔

شلوک نمبر 62: وہ کھیتی جسے پانی کی فراوانی برباد کر دے وہ دوبارہ پانی میں ڈبو دینے سے ہری نہیں ہوسکتی۔ اے فرید! جو مالک سے بچھڑ جائے اس کے مقدر میں ہمیشہ ہاتھ ملنا ہی رہ جاتا ہے۔

شلوک نمبر 63: اے فرید! جب کوئی لڑکی کنواری ہوتی ہے

تو اُسے بیاہ کا شوق ہوتا ہے لیکن جب بیاہی جاتی ہے، تو اسے دنیا کی مشکلات گھیر لیتی ہیں۔ اس وقت اُسے یہ غم کھائے جاتا ہے کہ میں دوبارہ کنواری نہیں ہوسکتی؟

شلوک نمبر 63: شور زمین میں واقع گڑھے کے پانی پر ہنس اُتر پڑتے ہیں، وہ چونچ پانی میں ڈبوتے ہیں لیکن پانی نہیں پیتے (کیونکہ پانی نمکین اور بدذائقہ ہے) انہیں اُڑ جانے کی تمنا ہوتی ہے۔

شلوک نمبر 65: ہنس اُڑ کر چوکر کے کھیت میں جا بیٹھا، لوگ اسے اڑانے کے لئے گئے۔ نادان لوگ یہ نہیں جانتے کہ ہنس چوکر نہیں کھاتا۔ (عارف کو دنیاوی لذتوں کا پرستار سمجھنا غلطی ہے۔)

شلوک نمبر 66: وہ پرندے جن کے دم سے تالاب میں چہل پہل تھی، اپنی اپنی باری پر رخصت ہوگئے۔ اے فرید! یہ بھرا ہوا تالاب بھی چلا جائے گا (سوکھ جائے گا) اور کنول بھی اکیلے رہ کر کُملا جائیں گے۔

شلوک نمبر 67: اے فرید! قبر میں اینٹ کا تکیہ ہوگا، خاک بستر بنے گی، کیڑے مکوڑے جسم کا گوشت کھائیں گے، ایک ہی پہلو لیٹے ہوئے کتنے ہی جُگ بیت جائیں گے۔

شلوک نمبر 68: اے فرید! ہمسائے میں ایک شخص کے جسم کی خوبصورت ٹھلیا ٹوٹ گئی ہے، کنوئیں سے پانی نکالنے کی سندر رسّی بھی ٹوٹ گئی ہے۔ (سانسوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔) دیکھئے عزرائیل فرشتہ (موت کا فرشتہ) آج اور کس گھر کا مہمان بنتا ہے (آج اور کس کو موت کا پیغام دیتا ہے۔)

شلوک نمبر 69: اے فرید! خوبصورت ٹھلیا ٹوٹ کر رہ گئی، سندر رسّی بھی ٹوٹ گئی۔ جو لوگ اپنے وجود سے دھرتی پر محض بوجھ تھے ان کو انسانی جنم پھر نہیں ملے گا۔

شلوک نمبر 70: اے فرید! اے نماز سے گریز کرنے والے کتّے! تیری عادت اچھی نہیں۔ تو پانچ وقت نماز پڑھنے کے لئے کبھی مسجد میں چل کر نہیں گیا۔

شلوک نمبر 71: اے فرید! اُٹھ اور صبح کی نماز پڑھ! جو سر خداوند کے سامنے نہیں جھکتا اسے کاٹ پھینکنا چاہئے۔

شلوک نمبر 72: وہ سر کس مصرف کا ہے جو مالک کے آگے خم نہیں ہوتا۔ اُسے ہانڈی کے نیچے ایندھن کی بجائے جلا دینا چاہتے۔

شلوک نمبر 73: اے فرید! تیرے ماں باپ کہاں ہیں جنہوں نے تجھے جنم دیا تھا۔ وہ تیرے پاس سے کبھی کے کوچ کر چکے لیکن تجھے ابھی تک یقین نہیں آیا۔

شلوک نمبر 74: اے فرید! اپنے دل کو ہموار میدان بنا دے، اس کے نشیب و فراز مٹا دے (دل سے بُرے خیالات اور وسوسے دور کردے) تجھے دوزخ کی آگ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

© https://www.khwajanasanizami.life

شلوک نمبر 75: (یہ شلوک گورو ارجن دیو جی کا ہے جو بابا فرید کے مطالب کی مزید وضاحت کرتا ہے) اے فرید! خلقت کا پیدا کرنے والا خلقت میں موجود ہے اور خلقت اپنے خالق میں بس رہی ہے۔ جب خالق کے بغیر کوئی دوسرا نہیں تو کسی کو بُرا نہیں کہنا چاہیئے۔

شلوک نمبر 76: اے فرید! جس دن پیدا ہوتے وقت دایہ نے میری نال کاٹی تھی۔ اگر اس دن میرا گلا بھی ذرا سا کاٹ دیا جاتا تو اتنے جھنجھٹ پیش نہ آتے اور اس قدر دُکھ سہنے نہ پڑتے۔

شلوک نمبر 77: دانت، ٹانگیں، آنکھیں اور کان کام سے رہ گئے۔ جسم نے فریاد کی کہ ہائے میرے ساتھی رخصت ہو گئے۔

شلوک نمبر 78: اے فرید! برائی کرنے والے کے ساتھ بھی بھلائی کر، غصے کو دل میں راہ نہ دے۔ اس طرح تیرے جسم کو کوئی روگ نہیں لگے گا اور سب نعمتیں حاصل ہو جائیں گی۔

شلوک نمبر 79: اے فرید! یہ دنیا ایک سرسبز و شاداب باغ ہے، اس میں رہنے والے پرندے چند روزہ مہمان ہیں۔ صبح کی نوبت بج چکی ہے، اب تو چلنے کی تیاری کر۔

شلوک نمبر 80: اے فرید! بارات کے وقت کستوری بانٹی جاتی ہے۔ (رات کی خاموشی میں عبادت کرنے والوں کے دماغ عرفانی خوشبو پاتے ہیں) سونے والوں کے حصے میں کچھ نہیں آتا؟ جن کی آنکھیں نیند سے بھری ہوئی ہیں ان کو کس طرح کوئی نعمت حاصل ہوسکتی ہے۔

شلوک نمبر 81: اے فرید! میں تو سمجھتا تھا کہ صرف میں ہی دُکھی ہوں لیکن دُکھی تو ساری دنیا ہے۔ جب میں نے اپنی سطح سے بلند ہو کر دیکھا تو مجھے گھر گھر یہی آگ دکھائی دی۔

شلوک نمبر 82: (یہ شلوک اور آگے کا شلوک نمبر 83 گورو ارجن دیو جی کی بانی ہے اور بابا فریدؒ کے مطالب کی مزید وضاحت ہے) اے فرید! دھرتی تو سُہانی ہے لیکن اس میں زہر کا باغ لگا ہوا ہے۔ جن کو خدائی لطف و کرم نوازتا ہے، ان کو اس زہر سے کوئی گزند نہیں پہنچی۔

شلوک نمبر 83: اے فرید! ان لوگوں کی زندگی سُہانی ہے اور جسم بھی خوب صورت ہیں جو پرماتما سے پیار کرتے ہیں لیکن ایسے لوگ خال خال ہی ملتے ہیں۔

شلوک نمبر 84: (ایک دُکھ کا مارا انسان کہتا ہے کہ) "اے سیلاب رنج و غم مجھ کنارے پر کھڑے درخت کو نہ گرا اور بہا کر نہ لے جا! آخر تجھے بھی تو حساب دینا ہے۔" اس دُکھی انسان کو یہ معلوم نہیں کہ سیلاب بھی اُدھر کا رخ کرتا ہے جدھر خدا کی مرضی ہوتی ہے۔

شلوک نمبر 85: اے فرید! دن دکھوں میں گزر گیا، رات اذیتوں میں بیت گئی۔ ملاح کھڑا پکار رہا ہے کہ بیڑہ طوفانی موجوں کے درمیان ہے۔

© https://www.khwajahasanizami.life

شلوک نمبر 86: زندگی کا لمبا دریا کناروں کو ڈھاتا گراتا ہوا بہہ رہا ہے۔ اگر ملاح ہوشیار ہے تو طوفان بیڑے کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

شلوک نمبر 87: اے فرید! زبانی جمع خرچ کرنے والے دوست تو بیسیوں ہیں لیکن سچا دوست تلاش کرنے پر کوئی نہیں ملتا! سچے دوست کی تلاش میں میرا دل اندر اندر ہی سلگ رہا ہے۔

شلوک نمبر 88: اے فرید! یہ جسم تو بھونکتا ہی رہتا ہے (دنیا کی نعمتوں کے لئے چلاّتا ہی رہتا ہے۔) اس کے لئے ہر روز دکھ کون سہے؟ اب ہوا خواہ کتنی ہی تیز چلے، میں کانوں میں روئی ٹھونس لوں گا۔ (خواہشات نفسانی کی پرواہ نہیں کروں گا۔)

شلوک نمبر 89: اے فرید! دیکھ یہ خدائی نعمتیں، پکی ہوئی کھجوریں اور شہد کی بہتی ہوئی نہریں، لیکن ان کا لطف اٹھانے میں جو دن گزرتا ہے وہ گویا زندگی پر دست درازی کرتا ہے۔

شلوک نمبر 90: اے فرید! جسم سوکھ کر محض ڈھانچہ رہ گیا۔ کوّے تلووں کو ٹھونگنے لگے، وصل ربّانی اب بھی نصیب نہیں ہوا، بندے کی قسمت دیکھ!

شلوک نمبر 91: اے کوّے جس نے میرا تمام ڈھانچہ ٹھونگ لیا ہے اور تمام گوشت کھا لیا ہے، خدا کے لئے میری ان دو آنکھوں کو نہ چھیڑنا کیونکہ مجھے اپنے محبوب کو دیکھنے کی آرزو ہے۔

شلوک نمبر 92: اے کوّے! میرے ڈھانچے کو نہ ٹھونگ؟ اگر تجھ سے ہو سکے تو اڑ جا، جس ڈھانچے کے اندر میرا محبوب بس رہا ہے اس کا گوشت نہ کھا۔

شلوک نمبر 93: اے فرید! قبر بیچاری آواز دے رہی ہے کہ اے بے گھر انسان! تو اپنے گھر میں آ، تو نے آخر کار میرے یہاں آنا ہی ہے

شلوک نمبر 94: ان آنکھوں کے دیکھتے دیکھتے کتنی ہی خلقت کوچ کر گئی۔ اے فرید! سب کو اپنی اپنی پڑی ہے، مجھے بھی اپنی فکر لاحق ہے۔

شلوک نمبر 95: (خدائی آواز آتی ہے کہ) اے فرید! اگر تو خود کو سنوار لے تو مجھ سے مل سکے گا، مجھ سے ملنے کے بعد تجھے سکھ حاصل ہوگا۔ اگر تو میرا بن جائے تو سب دنیا تیری بن جائے گی۔

شلوک نمبر 96: دریا کے کنارے پر کھڑا درخت کب تک برقرار رہے گا۔ اے فرید! کچّے گھڑے میں پانی کب تک رکھا جا سکتا ہے۔

شلوک نمبر 97: اے فرید! محلات خالی رہ جائیں گے، خاک کے نیچے بسیرا ہو جائے گا، روحیں ان قبروں میں جا مقیم ہونگی جن سے ہم اس وقت نفرت کرتے ہیں، بڑے بڑے لوگوں سے کہہ دو کہ بندگی کریں کیونکہ آج یا کل اُن کو دنیا سے

© https://www.khwajahasannizami.life

کوچ کرنا ہوگا۔

شلوک نمبر 98: اے فرید! موت کا کنارا یوں نظر آتا ہے جیسے دریا کا ساحل ہو، سُنتے ہیں کہ دریا کے اُس پار دوزخ تپ رہا ہے جس میں گنہگار لوگ چیخ پکار کر رہے ہیں۔ بعض خوش قسمت لوگ سب کچھ سمجھ گئے ہیں لیکن بعض ابھی تک بے پروا پھر رہے ہیں۔ دنیا میں جو اعمال ہم سے سرزد ہوتے ہیں وہ خدائی درگاہ میں گواہ بنتے ہیں۔

شلوک نمبر 99: اے فرید! بگلا دریا کے کنارے بیٹھا اٹکھیلیاں کر رہا تھا کہ اس پر قضائے الٰہی سے اچانک باز نے حملہ کر دیا۔ بگلے کو اٹکھیلیاں بھول گئیں اور خدا کی طرف سے وہ بات ظہور پذیر ہوئی جس کا دل کو گمان بھی نہ تھا۔

شلوک نمبر 100: ساڑھے تین من کا خوبصورت جسم اناج اور پانی کے سہارے چل رہا ہے۔ انسان دنیا میں کئی امیدیں لے کر آیا ہے، جب موت کا فرشتہ سب دروازے توڑ کر آ جاتا ہے تو انسان کو اس کے پیارے دوست اور بھائی اسے باندھ کر فرشتے کے حوالے کر دیتے ہیں۔ دیکھو! انسان چار آدمیوں کے کندھوں پر سوار ہو کر چلا ہے۔ اے فرید! دنیا میں جو نیک کام کئے ہوں گے وہی درگاہ میں کام آئیں گے۔

شلوک نمبر 101: اے فرید! میں اُن پرندوں پر قربان جاتا ہوں جو جنگل میں رہتے ہیں، کنکر چگتے ہیں۔ زمین پر بسیرا کرتے ہیں لیکن خدا کا آسرا نہیں چھوڑتے۔

شلوک نمبر 102: اے فرید! موسم بدل گیا، جنگل کا ہر درخت لرز اٹھا، پتّے جھڑ گئے۔ دنیا کے چاروں طرف جستجو کی لیکن تغیر و تبدل سے کہیں مفر نہیں۔ (تغیر و تبدل زمانے کا آئین ہے۔)

شلوک نمبر 103: اے فرید! میری خواہش ہے کہ ریشمی دوپٹہ پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دوں اور معمولی سی کملی اوڑھ لوں۔ میں وہی بھیس بنا لوں جس سے میرا مالک مجھے مل جائے۔

شلوک نمبر 104: (یہ توضیحی شلوک گورو امرداس جی کا ہے۔) ریشمی دوپٹہ کیوں پھاڑ دیں اور معمولی سی کملی کیوں اوڑھ لیں۔ اے نانک! اگر نیت درست کر لیں تو گھر میں بیٹھے ہی مالک مل جاتا ہے۔

شلوک نمبر 105: اے فرید! جن لوگوں کو اپنی بڑائی، دولت اور جوبن پر غرور رہا، وہ خدائی رحمت سے محروم چلے گئے۔ جس طرح ریت کے ٹیلے مینہ برسنے کے بعد سوکھے رہ جاتے ہیں۔

شلوک نمبر 106: اے فرید! جو لوگ خدا کا نام بھلا دیتے ہیں ان کے چہرے ڈراؤنے ہو جاتے ہیں۔ ان کو دنیا میں بہت دُکھ ہوتے ہیں اور عاقبت میں کہیں پناہ نہیں ملتی۔

شلوک نمبر 107: اے فرید! اگر تو پچھلی رات بیدار نہ ہوا تو گویا جیتے جی مر گیا۔ اگر تو خدا کو بھلا بیٹھا ہے تو خدا نے تجھے

نہیں بھلایا۔

شلوک نمبر108: (یہ شلوک اور اگلے دو شلوک بھی گورو ارجن دیو جی کے ہیں اور توضیحی نوعیت کے ہیں۔) اے فرید! مالک سجیلا اور بے نیاز ہے، اگر کوئی مالک کے پیار میں رنگا جائے تو اس کا رنگ روپ بھی مالک کے سچے رنگ روپ کی مانند ہو جاتا ہے۔

شلوک نمبر109: اے فرید! دُکھ اور سُکھ کو ایک جیسا جان، دل سے پاپ دور کر دے۔ خدا کے دربار میں اسی کو داخل ہونے کی اجازت ہوگی جو اس کی رضا میں اپنی بھلائی سمجھے گا۔

شلوک نمبر110: اے فرید! دنیا کے لوگ باجے ہیں جن کو خواہشات بجا رہی ہیں۔تو بھی ان کے ساتھ بج رہا ہے، یہاں وہی نہیں بجتا جس کا نگہبان خود خدا بنتا ہے۔

شلوک نمبر111: اے فرید! دل اس دنیا کی رنگ رلیوں میں مصروف رہا لیکن دنیا کسی کام نہ آئی۔فقیروں کی سی بود و باش بہت مشکل ہے جو بڑی خوش قسمتی سے ملتی ہے۔

شلوک نمبر112: رات کے پہلے پہر کی بندگی ایک حسین پھول کی طرح ہے۔پچھلے پہر کی بندگی پھل کی طرح ہے جو لوگ جاگیں گے وہ نعمت خداوندی سے فیض یاب ہوں گے۔

شلوک نمبر 113: (یہ توضیحی شلوک گورو نانک دیو جی کا ہے) نعمتیں خداوند کی اپنی ہیں جو زور و طاقت سے حاصل نہیں کی جاسکتیں، بعض انسان جاگتے ہوئے بھی یہ نعمتیں نہیں لے سکتے۔لیکن بعض سوتے ہوئے کو خداوند خود جگا کر نعمتیں عطا کرتا ہے۔

شلوک نمبر 114: اے سہاگ کی جستجو کرنے والی! تجھی میں کوئی کمی ہے۔(تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ) جس کا نام سہاگن ہے وہ غیر کا سہارا نہیں تکتی۔

شلوک نمبر115: اگر صبر دل میں کمان کی طرح ہو، صبر ہی چلہ اور صبر ہی تیر ہو تو خدا تیر کو نشانے سے خطا نہیں ہونے دے گا۔

شلوک نمبر116: جو صبر والے بندے صبر کے اندر رہ کر اپنے جسم کو اذیتیں دیتے ہیں۔اُن کو خدائی قرب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اپنا بھید کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔

شلوک نمبر 117: اے بندے! یہ صبر ہی زندگی کا نشانہ ہے۔اگر تو صبر میں مستحکم ہو جائے تو بڑھ کر دریا بن جائے گا اور معمولی ندی نالہ نہیں رہے گا۔

شلوک نمبر118: اے فرید! درویشی ایک مشکل عمل ہے۔خدا کے ساتھ تیرا پیار محض دکھاوے کا ہے۔درویشی کے راستے پر چلنے والا کوئی شاذ و نادر ہی نکلتا ہے۔

شلوک نمبر 119: میرا جسم تنور کی طرح تپ رہا ہے، ہڈیاں ایندھن کی طرح جل رہی ہیں۔اگر میرا مالک مجھے مل سکے تو میں پاؤں تھک جانے پر سر کے بل چلنے لگوں۔

شلوک نمبر 120: (یہ شلوک گورو نانک جی کا ہے۔)

©https://www.khwajahasannizami.life

جسم کو تنور کی طرح نہ تپا، ہڈیوں کو ایندھن کی مانند نہ جلا۔ سر اور پاؤں نے تیرا کیا بگاڑا ہے (کہ تو انہیں اس قدر اذیت دے رہا ہے) تو اپنے محبوب کو اپنے دل کے اندر دیکھ۔

شلوک نمبر 121: (یہ شلوک گورو رام داس جی کا ہے۔) مجھے اپنے مالک کی جستجو باہر کی دنیا میں ہے حالانکہ وہ میرے دل میں موجود ہے۔ اے نانک! اس کا کوئی ظاہری نشان اور پتہ نہیں ملتا۔ وہ پہچانا نہیں جا سکتا، کوئی مرشد کامل ہی اسے دکھا سکتا ہے۔

شلوک نمبر 122: (یہ شلوک اور آگے کا شلوک نمبر 123 دونوں گورو امر داس جی کے ہیں) ہنسوں کو تیرتے دیکھ کر بگلوں کو بھی شوق چرایا۔ لیکن وہ بیچارے سر نیچے اور پاؤں اوپر کئے ڈوب کر مر گئے۔

شلوک نمبر 123: میرا خیال تھا کہ یہ کوئی بڑا ہنس ہے، اسی لیے اس سے رفاقت کی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ کوئی ناکارہ بگلا ہے تو اس سے میری ہرگز ہرگز رفاقت نہ ہوتی۔

شلوک نمبر 124: (یہ شلوک گورو نانک جی کا ہے۔) ہنس ہو یا بگلا، سب اس کی نگاہ کرم کے محتاج ہیں۔ اگر وہ چاہے تو کوّے کو بھی ہنس بنا دے۔

شلوک نمبر 125: تالاب کا پرندہ تو اکیلا ہے، لیکن اس کو شکار کرنے والے پچاس ہیں۔ جسم لہروں میں پھنس گیا ہے۔ (دنیا کی مشکلات میں گرفتار ہو گیا ہے۔) اے سچے پروردگار اب تیرا ہی سہارا ہے۔

شلوک نمبر 126: اے بہن! وہ کون سا حرف ہے، کونسا ہنر ہے کونسا بیش قیمت منتر ہے اور کونسا بھیس ہے جسے اختیار کرنے سے میرا مالک میرے بس میں آ جائے۔

شلوک نمبر 127: (یہ شلوک اوپر کے شلوک کا جواب ہے۔) اے بہن! جھکنا وہ حرف ہے، درگزر کرنا ہنر ہے، میٹھا بولنا، بیش قیمت منتر ہے، اگر تو ان تینوں صفات کو لباس بنا کر پہن لے تو تیرا مالک تیرے بس میں آ جائے گا۔

شلوک نمبر 128: جو انسان عقل رکھتے ہوئے بھی بچے کی طرح معصوم ہے، زور رکھتے ہوتے بھی کمزور ہے (طاقت ور ہوتے ہوئے بھی کسی پر جبر روا نہیں رکھتا۔) جو کسی کو دینے کی استطاعت نہ رکھتے ہوئے بھی اپنا حصہ دوسرے کو دے دیتا ہے، وہی عابد کہلانے کا مستحق ہے۔

شلوک نمبر 129: تو کسی سے دل آزار بات نہ کر، کیونکہ سب میں سچا مالک بس رہا ہے۔ کسی کا دل نہ توڑ کیوں کہ سب قیمتی موتی ہیں۔

شلوک نمبر 130: سب کے دل موتی ہیں، کسی کے دل کو دکھانا اچھا نہیں۔ اگر تجھے پیارے مالک سے ملنے کا ارمان ہے تو کسی کا دل نہ توڑ۔

☆☆☆☆☆☆☆

©https://www.khwajahasannizami.life

راحت القلوب

(حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا روزنامچہ)

تالیف: سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

ترجمہ: حضرت سید ملا محمد واحدی نظامی دہلوی

17/ماہ صفر 656ھ

عطائے خرقہ خاص و رخصت:

دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ دعا گو چند روز کے واسطے ہانسی میں شیخ محمد ہانسویؒ کے پاس چلا گیا تھا جو حضرت قطب الدین بختیار اوشیؒ کے یارانِ اعلیٰ میں تھے۔ جب حضرت شیخ الاسلامؒ کی دولت پائے بوسی حاصل ہوئی، فرمان ہوا کہ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ گیا۔ اور جو مکتوب کہ شیخ برہان الدین نے دیا تھا پیش کیا۔ خود مطالعہ فرمایا۔ پھر ارشاد کیا کہ بہت دیر کر دی بندے نے سر زمین پر رکھ کر عرض کی کہ تن خاکی وہاں تھا۔ مگر دل یہیں۔ پھر فرمایا ہاں یونہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو۔ تم پر ہمارا اشتیاق غالب تھا اور تم کہتے تھے کہ اگر میرے پر ہوں تو اڑ کر چلا جاؤں اور خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ شیخ کا مرید اور فرزند ایسا ہونا چاہئے اور جیسے کہ مولانا نظام الدین ہیں۔ پھر مجھ سے ارشاد کیا کہ تم نے ایک خط بھی لکھا تھا جس میں اشتیاق پائے بوسی بہت تھا اور تم نے ایک بیت بھی لکھی ہے۔ جس کو میں نے یاد کر لیا ہے اور جب تم یاد آتے ہو تو میں اُس بیت کو پڑھ لیتا ہوں، بے نظیر ہے۔

اگر تم پڑھو تو میں سنوں میں نے قدم بوس ہو کر یہ بیت پڑھی۔

زانگاہ کہ بندۂ تو دانند مرا

بر مردیک دیدہ نشانند مرا

لطف عامت عنایتے فرمودہ است

ورنہ کیم از کجا چہ دانند مرا

میں نے جو یہ بیت پڑھی شیخ الاسلام پر رقت طاری ہوئی اور بے حد نہایت رقص فرمایا یعنی چاشت سے دو پہر تک اس وجد و کیف میں مصروف رہے۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو خرقہ خاص اور عصا اور مصلّٰے اور نعلین چوبی مرحمت فرمائیں اور دعا گو کو پہلو میں لیکر فرمایا کہ مولانا نظام الدین نزدیک ہے کہ میں تم کو رخصت پھر کروں اور پھر تمہارا دیدار نہ دیکھوں۔ بس اب جاؤ کہ اسی روز تمہاری رخصت ہے مگر اور چند روز بھی رہنا چاہئے کیونکہ دیدار غنیمت ہے۔ پھر چشم پر آب کی اور رو رو کر یہ بیت پڑھی:-

دیدار دوستان موافق غنیمت است

چوں یافتیم حیف بود گر رہا کنیم

ماہ صفر کی سختی و گرانی اور بلاؤں سے بچنے کے اعمال : بعدازاں ماہ صفر کی نسبت گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا نہایت سخت اور گراں مہینہ ہے۔ کیونکہ جب ماہ صفر آتا تھا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنگ دل ہوتے تھے اور جب یہ نکل جاتا تھا تو آپ خوشی کرتے تھے۔ اور حضور ﷺ کا یہ تغیر ماہ صفر کی گرانی اور سختی کے باعث سے ہوتا تھا۔

پھر ارشاد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے مجھ کو ماہ صفر کے ختم ہونے کی بشارت دی میں اُس کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔۔ مَنْ بَشَّرَ نِیْ بِخُرُوْجِ الصَّفَرِ اَنَا بَشَرْ تُہٗ بِدُخُوْلِ الْجَنَّۃِ

پھر اسی محل میں فرمایا کہ خداوند تعالیٰ ہر سال دس لاکھ اسی ہزار بلائیں آسمان سے بھیجتا ہے جن میں سے خاص اس مہینے میں نو لاکھ بیس ہزار نازل ہوتی ہیں۔ اس مہینے میں دعا اور عبادت کے اندر مشغول رہنا چاہئے تاکہ بلا سے کچھ نقصان نہ پہنچے پھر فرمایا کہ میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے جو شخص چاہے کہ ماہ صفر کی بلاؤں سے محفوظ رہے۔ یہ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ ھٰذَا الزَّمَانِ وَاَسْتَعِیْذُہٗ مِنْ شُرُوْرِ الْاَزْمَانِ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِجَلَالِ وَجْھِکَ وَکَمَالِ قُدْرَتِکَ اَنْ تُجِیْرَنِیْ مِنْ فِتْنَۃِ ھٰذِہِ السَّنَۃِ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَیْتَ فِیْھَا وَاَکْرِمْنِیْ بِالْفَقْرِ بَاَکْرَمِ النَّظْرِ وَاخْتِمْہُ بِالسَّلَامَۃِ وَالسَّعَادَۃِ لِاَھْلِیْ وَاَوْلِیَائِیْ وَاَقْرِبَائِیْ وَجَمِیْعِ اُمَّۃٍ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔

بعدازاں اسی محل میں فرمایا کہ ماہ صفر کی پہلی شب میں کل مسلمان کی حفاظت کے واسطے عشاء کی نماز کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔ پہلی میں فاتحہ کے بعد قُلْ یَااَیُّھَاالْکٰفِرُوْنَ پندرہ بار اور دوسری میں فاتحہ کے بعد اخلاص گیارہ بار اور تیسری میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق پندرہ بار اور چوتھی میں قُلْ اَعُوْذُبِرَبِّ النَّاس پندرہ بار۔ پھر سلام کے بعد کئی بار اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن پڑھ کر اس کے بعد ستر مرتبہ درود شریف پڑھے۔ چونکہ یہ نماز قبل از وقت پڑھی جاتی ہے خداوند تعالیٰ اُن تمام بلاؤں سے جو اُس روز نازل ہوں گی محفوظ رکھتا ہے۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ میں نے شرح شیخ الاسلام شیخ معین الدین چشتیؒ میں لکھا دیکھا ہے کہ ماہ صفر کے آخری روز تین لاکھ بیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں یہ دن سب دنوں سے زیادہ سخت ہے۔ اس واسطے آخری چہار شنبے کو چار رکعت نماز ادا کرے خداوند تعالیٰ اس کو تمام بلاؤں سے محفوظ رکھے گا

© https://www.khwajahassannizami.life

اور سال آئندہ تک کوئی بلا اس کے پاس نہ آئے گی۔ دعا یہ ہے۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. یَا شَدِیۡدَ الۡقُوٰیٰ وَیَا شَدِیۡدَ الۡمِحَالِ یَا مُفَضِّلُ یَا مُکۡرِمُ یَا لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنۡتَ بِرَحۡمَتِکَ یَا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِیۡنَ ط

پھر فرمایا جو لوگ بلا میں مبتلا ہوتے ہیں وہ اسی ماہ صفر میں ہوئے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسی ماہ صفر میں گیہوں کھایا تھا جو بہشت سے نکالے گئے اور ایک خطا کے سبب تین سو برس روتے رہے۔ تمام گوشت و پوست اُن کا گل کر جھڑ گیا تھا۔ تب حکم ہوا کہ توبہ کرو میں قبول کروں گا۔ غرضکہ یہ ساری زحمت ماہ صفر ہی سے شروع ہوئی تھی۔ پھر اس کے مناسب فرمایا کہ وہب ابن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ قابیل اور ہابیل دونوں بھائیوں نے ماہ صفر میں حضرت آدم علیہ السلام سے شکار کی اجازت چاہی حضرت آدم نے اُن کو منع کیا کہ ماہ صفر میں باہر نہ جاؤ۔ مگر انہوں نے حضرت کا کہنا نہ سنا۔ الغرض جب یہ جنگل میں پہنچے تو دونوں بھائیوں میں کسی بات پر تکرار ہوئی اور قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ پھر پشیمان ہوا کہ مجھ سے یہ کیا حرکت ہوئی۔ یہ خبر حضرت آدم علیہ السلام کو پہنچی۔ حضرت کو بہت رنج ہوا۔ اُسی وقت جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کی کہ اے آدم، حکم الٰہی ہے کہ ہابیل کی اولاد سے تمام لوگ مسلمان ہوں گے اور قابیل کی اولاد سے تمام یہودی اور آتش پرست اور کافر ہوں گے کیونکہ اس نے ماہ صفر میں اپنے بھائی کو ہلاک کیا ہے۔

پھر اس محل میں فرمایا کہ نوح علیہ السلام کی قوم اسی ماہ صفر میں طوفان کے اندر غرق اور ہلاک کی گئی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صفر کی پہلی تاریخ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور ماہ صفر ہی میں ایوب علیہ السلام کیڑوں کی بلا میں مبتلا ہوئے تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام پر جس روز آرا چلایا گیا ہے وہ بھی ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ تھا۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حلق پر جو چھری چلی ہے تو اسی ماہ صفر میں۔ اور پر اسی ماہ صفر میں حضرت جو جلیس علیہ السلام کے سات ٹکڑے کئے گئے۔ اور یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں بند ہوئے۔

بعد ازاں شیخ الاسلام ادام اللہ برکاتہ نے چشم پر آب کی اور ایک نعرہ مار کر بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا کہ حضرت سلطان انبیا علیہ السلام کو جو زحمت لائق ہوئی اور رحمت حق سے پیوست ہوئے تو یہی ماہ صفر تھا۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح تمام انبیاء پر جو بلائیں نازل ہوئیں ہیں اسی ماہ صفر میں ہوئی ہیں۔ یہ مہینہ بہت سخت ہے۔ حق تعالیٰ ہم کو اور تم کو اور کل مسلمانوں کو اس مہینے کی گرانی سے اپنی امان اور حفاظت میں رکھے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

© https://www.khwajahasanizami.life

27/ ماہ صفر 656ھ

مجاہدہ نفس: دولت پا تے بوسی میسر آئی۔ عزیزان اہل سلوک مثلاً شیخ برہان الدین ہانسویؒ اور شیخ ملہو لاہوریؒ اور شیخ جمال الدین ہانسوی علیہم الرحمتہ والغفر آن حاضر تھے اور چند اور صوفی بھی خاندان چشت کے آئے ہوئے تھے اور مجاہدے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ ارشاد کیا کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ سے کسی نے ان کے مجاہدے کی نسبت سوال کیا۔فرمایا کہ میں بیس سال عالم تفکر میں ہوا کے اندر آنکھیں کھولے کھڑا رہا ہوں۔اوران بیس سال میں کبھی بیٹھنا اور اٹھنا اور سونا مجھ کو یاد نہیں میرے پیروں سے خون جاری ہو گیا تھا اور پیر ورم کر گئے تھے۔ پھر اس کے بعد دو سال عالم محو میں رہا اور کبھی نفس کو سیر ہو کر پانی نہیں پلایا۔صرف ایک ہفتے یا مہینے میں دو درم کے انداز سے دیتا تھا۔ پھر اس کے بعد نفس کو انار شیریں کی خواہش ہوئی۔ میں ہر روز اُس سے وعدہ کرتا رہا یہاں تک کہ دس سال گزر گئے تب نفس نے فریاد کی کہ تمہارا وعدہ کب پورا ہوگا۔ میں نے کہا آخری وقت میں۔ اگر اپنے مجاہدے کی مفصل کیفیت بیان کروتو اس کے سننے کی تم میں طاقت نہیں ہے۔جو معاملے کہ میں اپنے اور اپنے نفس کے ساتھ کئے ہیں تم اُن کا یقین نہیں کر سکتے۔الغرض جب ستر برس اسی طرح سے گزر گئے درمیان سے حجاب اُٹھ گیا اور آواز آئی کہ اندر آؤ تم نے ہمارے کام میں کوئی کسر نہیں رکھی۔لہذا واجب ہوا کہ ہم بھی تم پر تجلی کریں۔اس آواز کے آتے ہی خواجہ بایزیدؒ نے نعرہ مارا اور جاں بحق تسلیم کی۔ بعدازاں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ حضرت بایزیدؒ کے انتقال کا یہ واقعہ ہے۔اور فرمایا کہ جو مجاہدہ کرتا ہے وہی مشاہدے کو جانتا ہے اور یہ مثنوی زبان مبارک سے فرمائی۔۔۔۔

درکوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

پھر اسی محل میں فرمایا کہ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ مجاہدہ کیا ہے؟ فرمایا نفس کو مارنا۔یعنی اُس کی مراد پوری نہ کرنی اور وہ طاعت اختیار کرنی جس سے نفس راضی نہ ہو۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ خواجہ ابو یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے نفس سے فرمایا کہ اے نفس اگر آج کی رات تو میرا ساتھ دے تو میں دو رکعت نماز میں ختم قرآن شریف کرلوں۔ روز اسی طرح کرتے رہے آخر ایک دن نفس نے موافقت نہ کی اور حضرتؒ کی دو رکعتیں فوت ہو گئیں۔ دوسرے روز حضرتؒ نے مناجات کے وقت عہد کیا کہ بیس سال تک نفس کو سیر ہو کر پانی نہ دوں گا۔کیونکہ اس شب جو نفس نے کاہلی کی تھی اُس کا سبب یہی تھا کہ اس نے سیر ہو کر پانی پیا تھا۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ شاہ شجاع کرمانی چالیس

© https://www.khawajahasannizami.life

سال نہ سوئے تھے۔ بعد چالیس سال کے ایک شب حضرت رب عزت کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر جہاں جاتے کپڑا اوڑھ کر لیٹ رہتے کہ پھر وہ دولت حاصل ہو۔ ہاتف نے آواز دی کہ اے شاہ شجاع وہ دیدار چالیس سال کی بیداری کا نتیجہ تھا۔اب چالیس سال بیدار ہوتب وہ نصیب ہو پھر شیخ الاسلام نے چشم پرآب کی اور فرمایا کہ جب شاہ شجاع کرمانی کے انتقال کا وقت قریب پہنچا تو جس روز کہ حضرت انتقال کرنے والے تھے ایک ہزار رکعت نماز حضرت نے ادا کی اور مصلے ہی پر سو رہے دوبارہ حضرت ذوالجلال کی زیارت ہوئی اور حکم ہوا کہ اسے شاہ شجاع آنا چاہتے ہو یا ابھی کچھ دن اور رہو گے؟ عرض کی کہ خداوند اب رہنے کی تاب نہیں ہے۔ میں تو آؤں گا، چنانچہ اُسی وقت بیدار ہوئے اور وضو کر کے دوگانہ پڑھا۔عشاء کی نماز کا وقت تھا جو سر بسجدہ ہو کر جاں بحق تسلیم کی۔شیخ الاسلام نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو یہ مثنوی آپ کی زبان پر جاری ہوئی۔۔۔

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

بعد ازاں فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت بایزیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ اپنے مجاہدے کا کچھ حال بیان کیجئے۔فرمایا کہ ایک دفعہ بیان کروں تو تم اُس کو سُن نہیں سکتے مگر میں تمہاری درخواست سے بہت تھوڑا بیان کرتا ہوں۔ایک شب میں نے نفس کو عبادت کے واسطے طلب کیا۔نفس نے سُستی کی کیونکہ اس شب اس نے عادت سے زیادہ دو کھجوریں کھائی تھیں۔ غرض کہ نفس نے میرا ساتھ نہ دیا۔ جب دن ہوا تو میں نے عہد کیا کہ عرصے تک خرمانہ کھاؤں گا۔ چنانچہ پندرہ برس خرما نہیں کھایا اور نفس اُس کی آرزو میں ہی رہا اور کہنے لگا کہ جو کچھ حکم دو گے میں تابعدار ہوں،تب میں نے خرمے خرید کر اُس کو کھلائے اور وہ مطیع ہو گیا۔جو کچھ میں اُس کو حکم دیتا تھا وہ بجا لاتا تھا بلکہ اُس سے زیادہ کرتا تھا۔

پھر فرمایا کہ خواجہ ذوالنون مصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اپنا مجاہدہ کہاں تک پہنچایا ہے؟ فرمایا یہاں تک کہ دو دو اور تین تین سال ہو جاتے ہیں جو میں نفس کو سیر ہو کر پانی نہیں دیا۔ چنانچہ اب دس سال ہو گئے ہیں کہ اُس کو پانی نہیں دیا ہے،اور جب تک کہ ہر شب میں دو ختم قرآن شریف کے نہیں کر لیتا اور کسی کام میں مشغول نہیں ہوتا۔ بعد ازاں خواجہ ذوالنون مصریؒ خود کے انتقال کی حکایت بیان فرمائی کہ ایک روز خواجہ اپنے یاروں کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔اور اولیاء اللہ کے انتقال فرمانے کا ذکر ہو رہا تھا کہ ایک شخص سبز لباس پہنے ہوئے اور ایک سیب ہاتھ میں لئے ہوئے آیا۔ نہایت خوبرو اور نیک سیرت، فرمان ہوا کہ بیٹھ جاؤ اور خواجہ

© https://www.khwajahasannizami.life

ذوالنون مصریؒ ہر بار اُس شخص سے فرماتے تھے کہ خوب آئے اور بہت اچھے آئے۔ پھر وہ سیب اُس شخص نے خواجہ کو دیا۔ خواجہ نے اُس سیب کو دونوں ہاتھوں میں لے کر تقسیم کیا اور فرمایا کہ آپ تشریف لے جائیے جب وہ چلا گیا تو خواجہ نے لوگوں کو بھی معذرت کے ساتھ رخصت کیا۔ پھر قبلہ رو ہو کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ جب ختم کر چکے تو اس سیب کو سونگھا اور جاں بحق تسلیم کی۔ بعد ازاں جب خواجہ کا جنازہ مسجد کے آگے لائے نماز کا وقت تھا اور موذن اذان کہہ رہا تھا۔ جب اُس نے کہا اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ خواجہ نے کفن سے ہاتھ باہر نکالے اور انگشت شہادت کھڑی کر کے فرمایا اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدً ارَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ ہر چند لوگوں نے چاہا کہ اُنگلی کو نیچا کریں مگر نہ ہوسکی اور آواز آئی کہ اے مسلمانوں جو انگلی ذوالنونؒ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر اٹھائی ہے وہ اُس وقت تک نیچی نہ ہوگی جب تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ اُسے نہ پکڑے گا۔ بعد ازاں شیخ الاسلام رضی اللہ عنہ نے یہ مثنوی پڑھی اور خوب روئے

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

بعد ازاں فرمایا کہ جب خواجہ سہیل بن عبداللہ تستریؒ کا انتقال ہوا اور خواجہ کا جنازہ لیکر باہر آئے تو شہر تستر کے یہودی جو از حد منکر تھے اُن کا سردار برہنہ پا حاضر ہوا اور کہا جنازے کو نیچے اتارو کہ میں مسلمان ہوتا ہوں جب جنازہ نیچے اُتارا تو یہ یہودی جنازے کے پاس کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے خواجہ مجھ کو کلمہ تلقین کرو تا کہ میں مسلمان ہوں اور اس سردار کے ساتھ اس کی قوم کے ہزار آدمی اس وقت موجود تھے۔ اُس کے یہ کلمے سنتے ہی خواجہ نے کفن سے ہاتھ نکالے اور آنکھیں کھول کر کہا کہا اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُوَ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدً ارَّسُوْلُ اللّٰہِ یہ کہ کر پھر کفن کے اندر ہاتھ کر لئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ لوگوں نے اس یہودی سے پوچھا کہ تو نے کیا برہان دیکھی جو مسلمان ہوا؟ اُس نے کہا جس وقت تم لوگ یہ جنازہ لیکر باہر آئے ہو میں نے آسمان کی ایک سخت آواز سنی اور اپنے دل میں کہا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ پھر میں نے آسمان کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ فرشتے آسمان سے نازل ہوئے ہیں اور ہاتھوں میں اُن کے نور کے طبق ہیں خواجہ کے جنازے پر آئے ہیں اور اس نور کو نثار کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ اکبر! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں ایسے لوگ ہیں اور اسی سبب سے میں مسلمان ہو گیا۔ پھر شیخ الاسلام نے چشم پر آب کی اور عالم تفکر میں ہو گئے اور یہ مثنوی پڑھی

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

پھر اسی موقعے کے مناسب فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت

© https://www.khwajahasannizami.live

شیخ علی مکّیؒ نے خواب میں دیکھا کہ گویا وہ عرش کو سر پر رکھ کر لے جا رہے ہیں۔ جب دن ہوا تو انھوں نے خیال کیا کہ یہ خواب کسی شخص سے بیان کرنا چاہئے جو اس کی تعبیر دے۔ آخر کہا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے پاس چلو کہ اُن کے سوا اور کوئی شخص اس کام کا نہیں ہے۔ فرماتے ہیں جب میں گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ تمام شہر بسطام میں ایک شور و غوغا برپا ہے۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت بایزیدؒ کا انتقال ہو گیا۔ شیخ علیؒ نے یہ سُن کر ایک نعرہ مارا اور روتے ہوئے روانہ ہوئے۔ جب حضرت بایزیدؒ کے جنازے کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ جنازے کو لوگ باہر لا رہے ہیں۔ شیخ علیؒ نے بڑی مشقت اور دشواری سے کیونکہ لوگوں کی بے حد کثرت تھی حضرت بایزیدؒ کے جنازے کو کندھا دیا اور دل میں کہا کہ میرے خواب کی تعبیر پوری ہو گئی۔ خواجہ بایزید کا جنازہ ہی خدا کا عرش ہے جس کو تو سر پر رکھے ہوئے لے جا رہا ہوں۔

بعد ازاں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ تیس سال دعا گو عالم مجاہدے میں رہا ہے نہ دن کی خبر تھی نہ رات کی۔ نماز پڑھ لیتا تھا اور پھر اُسی عالم میں مشغول ہو جاتا تھا پھر فرمایا کہ جس روز حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ نے رحلت فرمائی ہے اُس روز حضرت کا جسم نہایت مضمحل تھا اور حضرت منتظر بیٹھے تھے کہ ایک شخص ہاتھ میں حریری کاغذ لئے ہوئے آیا جس میں اسم اللہ لکھا تھا۔ اُس شخص نے سلام کر کے وہ کاغذ خواجہ کو دیا۔ حضرت نے ہاتھ میں لیکر اُس کا مطالعہ کیا۔ اور نام اللہ پر آنکھیں رکھ کر جان بحق تسلیم کی۔ ایک شور عالم میں برپا ہوا کہ خواجہ قطب الدینؒ نے رحلت فرمائی الغرض جب غسل دے کر جنازہ تیار کیا تو کسی کی مجال نہ ہوئی کہ جنازے کو اٹھا سکے سب لوگ حیرت میں تھے کہ ایک سخت آواز آنی شروع ہوئی۔ لوگ واپس ہوئے پھر نماز جنازہ پڑھی اور جنازے کے اٹھانے کا قصد کیا کہ جنازہ خود بخود ہوا میں معلق روانہ ہوا۔ اور لوگ پیچھے پیچھے تھے اور جس قدر کفار اور غیر مذاہب کے لوگ تھے۔ سب مسلمان ہو گئے۔ اُن سے دریافت کیا کہ تم نے کیا برہان دیکھی جو اسلام اختیار کیا؟ کہنے لگے کہ ہم نے دیکھا خواجہ کا جنازہ فرشتے سر پر رکھے ہوئے لے جا رہے ہیں جب شیخ الاسلام نے یہ حکایت تمام کی ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے پھر ہوش میں آ کر یہ مثنوی پڑھی۔۔۔

درکوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا الملک الموت نہ گنجد ہرگز

حضرت خواجہ انہی فوائد کے فرمانے میں مشغول تھے کہ نماز کی اذان ہوئی شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ نماز میں مشغول ہوئے۔ اور خلق وداع گو واپس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

☆☆☆☆☆☆☆

© https://www.khwajahasannizami.life

ھُوالکل ۷۸۶ یامعین

نظم الہام

سلسلۂ انسداد ارتداد لسان العصر

حضرت مولانا سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور و معروف نظمِ الہام جس میں نہایت دلچسپ و عالمانہ و فلسفیانہ انداز سے شریعت وطریقت کا فرق بتایا گیا ہے۔اور جواز خد مقبول ہے حسن نظامی دہلویؒ نے اپریل ۱۹۲۵ءمیں شائع کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

شریعت وطریقت کے باہمی اختلافات کی نسبت (جسکو جہلا نے اختلافات سمجھ رکھا ہے۔ حضرت اقدس بدرالعلماء شمس الفقراء عارف کامل مولانا سید اکبر حسین صاحب لسان العصر الہ آبادیؒ نے یہ نظم یقیناً القاء والہام سے لکھی ہے، کیونکہ اس کے ہر شعر میں یہ کمال ہے کہ اگر اس کو ایک کتاب کے شروع میں لکھدیا جائے اور پھر اُس کی تشریح وتفسیر شروع ہوتو وہ کتاب صرف ایک ہی شعر کی شرح میں بہت ضخیم جلد بن جائے گی۔

شریعت وطریقت کے مشتہرہ اورخواہ مخواہ کے اختلافات مٹانے اورناسمجھوں کو سمجھانے کے لیے متعدد بزرگوں نے کوشش فرمائی ہے اورسب نے اپنی اپنی جگہ خوب لکھا ہے مگر جو بات حضرت اکبرؒ کی نظم میں ہے وہ نہ آورد ہے نہ آمد ہے بلکہ القاء اورالہام ہے۔

جوحضرات علم وفہم رکھتے ہیں اورشاعری کا مذاق بھی اُن کو ہے وہ تو اس نظم کو پڑھ کر گھنٹوں نہیں ہفتوں، مہینوں اور برسوں وجد میں رہیں گے۔کہ یہ نظم نہیں لکھی بلکہ دل کی اُلجھی ہوئی گرہ کھولدی مگر معمولی علم وسمجھ کے لوگ بھی اس عام فہم نظم سے شریعت وطریقت کے اختلاف کوبھول جائیں گے اوراُن کوان دونوں کافرق آسانی سے معلوم ہوجائے گا۔

یہ کمال صرف قرآن شریف میں ہے کہ اس کو جس عقل وعلم کا آدمی پڑھتا ہے اپنے معیار دانش کے مطابق پاتا ہے۔لیکن یہ نظم بھی پرتوۂ قرآنی سے مزین ہے اوراس میں بھی جلوۂ الہام نے یہ بات پیدا کردی کہ خواہ کسی درجہ کا آدمی اس کو پڑھے اُس کی سمجھ کے موافق اعلیٰ درجہ کی چیز معلوم ہوگی۔

حضرت اقدس واعلیٰ کی اس نظم میں یہ خصوصیت ہر شخص کونظر آجائے گی کہ اس کا ہر شعر ایک خاص فن اورخاص خیال اور خاص اُفتادِ طبع کی رہنمائی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شعر میں مولویانہ طرز بیان کالحاظ رکھا گیا ہے، کسی میں درویشانہ۔کسی میں فلسفیانہ،کسی میں شاعرانہ۔کسی میں ادق گہرائی ہے۔کسی میں روزمرّہ کی معمولی بحث کا انداز ہے۔

غرض ہر شعر ایک مخصوص فرقہ اورمخصوص عقیدہ کے طریق فہم کی رہبری کرتا ہے اس اعتبار سے گو یہ نظم نہایت مختصر

© https://www.khwajahasannizami.life

ہے مگر سینکڑوں جلدوں کے مضامین اپنے اندر رکھتی ہے۔

میں نے پہلے ایڈیشن میں ایک ایک شعر ایک ایک صفحہ میں اس واسطے لکھوایا تھا کہ وصلیوں پر چسپاں کرا کے مساجد و خانقاہوں میں آویزاں کیا جا سکے اور عربی و انگریزی مدارس میں دیواروں پر لٹکایا جائے، تاکہ لڑکے شروع سے شریعت و طریقت کے فرض کو سمجھ جائیں مگر جب نظم لکھی گئی تو میں نے دیکھا کہ اس کی لکھائی ایسی اچھی نہیں ہوئی جو قطعات کی خوشنمائی رکھتی ہو اور دیواروں کرنے سے خوشنما نظر آئے۔

اب دوسرے ایڈیشن کے وقت اس کی تحریر کا طریقہ بدل دیا گیا ہے جو ہر نظر کو پسندیدہ معلوم ہوگا۔

میری رائے ہے کہ یہ نظم بچوں اور اسکول کے لڑکوں اور لڑکیوں کو حفظ کرادی جائے تاکہ شریعت و طریقت کے فرق کو ہر لڑکا ہر وقت یاد رکھ سکے اور مسلمانوں کا وہ زبردست اختلاف دور ہو جو طبقہ علماء و فقراء میں اس ناسمجھی سے پڑا ہوا ہے کہ شریعت و طریقت دو جداگانہ چیزیں ہیں۔

میں یہ بھی صلاح دینی چاہتا ہوں کہ وعظ پیشہ حضرات بھی اس نظم کو یاد کرلیں، کہ اس سے بیان میں رنگینی اور اثر پیدا ہو جائے گا۔ (حسن نظامیؒ، مئی ۱۹۲۵ء)

سُنو دو ہی لفظوں میں مجھ سے یہ راز
شریعت و ضو ہے طریقت نماز
طریقت شریعت کی تعمیل ہے
طریقت عبادت کی تکمیل ہے
شریعت بہ حکم و طریقت بدل
کہ معنی سے کردے تجھے متصل
شریعت آثار راہ خدا
طریقت میں رفتار راہ خدا
شریعت طریقت سے ہے صف بہ صف
یہ ہے موج دریا وہ دریا میں کف
شریعت سے ہے ظلمتِ کفر دور
طریقت میں فطرت کا ظاہر ہے نور
شریعت کریگی بصیرت کو صاف
طریقت میں حسب مذاق انکشاف
شریعت کو اک عام قانون ہے
طریقت کا اک خاص مضمون ہے
شریعت میں لازم اطاعت ہوئی
طریقت میں شرطِ ارادت ہوئی
شریعت تو ہے دیں نور بیں
طریقت بنی رُوح کی دُور بیں
شریعت اک شمع محفل فروز
طریقت ہے اک شعلۂ وہم سوز
شریعت ہے مہر سپہر ہُدا
طریقت کا رُخ سُوئے حُبِّ خدا
شریعت ہے جان اور طریقت نشاط

© https://www.khwajahasannizami.life

شریعت ہے منزل طریقت رباط
شریعت غذا ہے طریقت دوا
شریعت چمن ہے طریقت ہوا
شریعت عبادت ہے اللہ کی
طریقت محبت ہے اللہ کی
شریعت کی خدمت کا سب سے لگاو
طریقت کی لذّت پے مَنۡ یَّشَآءُ
شریعت میں ہے نازو جنت کا رنگ
طریقت میں ہے وصل وفرقت کا رنگ
شریعت کتابونکی ہے متحمل!
طریقت میں ہے درس الواحِ دل
عبادت سے عزت شریعت میں ہے
عبادت کی لذت طریقت میں ہے
شریعت میں تاکید ضبط نصوص
طریقت میں ذوق عمل باخلوص
طریقت قدم ہے شریعت ہے راہ
شریعت زباں ہے طریقت نگاہ
شریعت درمحفلِ مصطفیٰ ﷺ
طریقت عروج دلِ مصطفیٰ ﷺ
شریعت میں ہے قیل و قال حبیب
طریقت میں محوجمال حبیب

شریعت میں ارشادِ عہدالست
طریقت میں ہے یادِ عہدالست
شریعت شکر ہے طریقت زباں
کہ معنی کی لذت چکھے تیری جاں
شریعت میں دین اور ایمان ہے
طریقت میں تسکین و ایقان ہے
سخن سنجیاں گوہوں میری درست
مگر قول سعدی نہایت چست ہے
طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجّادۂ ودلق نیست

یہ رسالہ انسدادارتداد کے سلسلہ میں اِسواسطے شریک کیا گیا ہے کہ آریہ سماجی لوگ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ اِسلام میں شریعت اور ہے اور طریقت دوسری چیز ہے۔ اس نظم کو پڑھنے کے بعد ہر مسلمان واقف ہوجائے گا کہ شریعت و طریقت دو چیزیں نہیں ہیں۔ اور وہ آریہ سماج کے مغالطہ میں نہیں پڑیں گے۔

اُمید ہے کہ رفیقان تبلیغ اِس نظم کو ہر جگہ مُسلمانوں کو پڑھوانے اور یاد کرانے کی کوشش کریں گے تاکہ یہہ لاجواب عالمانہ وفلسفیانہ چیز عام وخاص تک پہنچ سکے۔ (حسن نظامی ،رمضان ۱۳۴۳ھ مطابق اپریل ۱۹۲۵)

☆☆☆☆☆

© https://www.khwajahasannizami.life

پردہ پوشی

(محرم کا دوسرا تبلیغی خطبہ)

از: حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

الحمد الله ستار العیوب الذی قال لایکف اللـه نفسا الا وسعها و الصلوٰة السلام علیٰ عبده و رسوله محمد الذی ارسل لستر العیوب.

امـا بـعد۔ اے اللہ کے بندو! اے ایماندار مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے اسلام کے رسول حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تم کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کی پردہ پوشی کرو۔ اور ان لوگوں کی قرآن مجید میں بہت بُرائی کی گئی ہے جو لوگوں کے عیب ڈھونڈتے اور ان عیبوں کو جگہ جگہ بیان کرتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پردہ فاش کرنے والوں کو بہت ناپسند فرماتا ہے۔ اس کے نیک بندے وہی ہیں جو دوسروں کے عیب پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور ان کو جگہ جگہ کہتے نہیں پھرتے۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چاروں اصحاب کو سامنے بٹھا کر یہ سوال فرمایا کہ ''اگر تم کو اللہ تعالیٰ دنیا کی کوئی نعمت اور حکومت عطا فرمائے تو تم کونسی نیکی کا کام کروگے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا ''میں ہمیشہ سچ بولنا اپنا شیوہ بنالوں گا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سن کر ارشاد کیا۔ بے شک سچ بولنا بہت بڑی نیکی ہے۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا ''میں ہمیشہ انصاف کیا کروں گا۔'' اس جواب کو سن کر حضور رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اے عمرؓ تمہارا یہ ارادہ بہت ہی اچھا ہے کہ مظلوموں کو ظالموں کے ہاتھوں سے بچانا اور عدل اور انصاف کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔'' اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے عرض کیا ''ہمیشہ سخاوت اور فیاضی سے لوگوں کو دولت اور مال تقسیم کیا کروں گا۔ ارشاد ہوا ''اے عثمانؓ تمہارا بھی یہ خیال بہت عمدہ ہے کہ سخاوت اور فیاضی بہت ہی اچھی چیز ہے۔'' اس کے بعد حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر مجھ کو اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی قابل بنائے تو میں ہمیشہ اللہ کے بندوں کی پردہ پوشی کیا کروں گا۔'' یہ جواب سُن کر رسول اللہ ﷺ چہرہ روشن ہوگیا۔ اور آپ نے نہایت جوش کے ساتھ فرمایا: ''علیؓ کا ارادہ تم سب کے ارادوں سے زیادہ اچھا ہے۔ علیؓ کا یہ خیال تم سب کے خیالوں سے برگزیدہ خیال ہے کہ پردہ پوشی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو شخص بندوں کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے سب عیبوں کا پردہ ڈھک لیتا ہے۔''

بزرگوں نے فرمایا مَـنْ ضَـحِکَ ضُـحِکَ جو دوسروں پر ہنستا ہے اللہ تعالیٰ ایک دن دوسروں کو بھی اس پر ہنساتا ہے۔ یعنی انسان کو چاہئے کہ وہ کسی کے عیب یا کسی کی بدنامی و رسوائی پر خندہ زنی نہ کرے۔ کیونکہ جو دوسروں کے عیبوں پر ہنستا ہے ایک دن لوگ خود اس کے عیبوں پر بھی ہنسیں گے۔

بھائیو! ہندوستان میں مسلمانوں اور انگریزوں

© https://www.khwajahasannizami.life

اور ہندوؤں میں جہاں اور بہت سی باتوں کا فرق ہے وہاں پردہ پوشی کا بھی فرق ہے کہ انگریز اور ہندو اپنی اپنی قوموں کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ مگر ہائے افسوس کہ مسلمان اس نعمت سے محروم ہوتے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے ستارالعیوب پروردگار نے حکم دیدیا تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کی پردہ پوشی کریں اور ہندوؤں اور انگریزوں کے ہاں مذہبی طور پر کوئی ایسا اعلیٰ حکم موجود نہ تھا، مگر افسوس کہ جن کو پردہ پوشی کا حکم تھا، وہ عیب چینیاں کرتے ہیں، پردے فاش کرتے ہیں، اور جن کو پردہ پوشی کا کوئی مذہبی حکم نہ تھا ان میں ہر شخص اپنی قوم اور جماعت کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

انگریزوں کی حکومت ہندوستان میں جن اسباب سے قائم ہے اور دن بدن ترقی کر رہی ہے ان میں ایک تو سب کام حساب کے ساتھ کرتا ہے۔ دوسرے تقسیم عمل ہے تیسرے وقت کی پابندی ہے چوتھے وقت کی قدردانی ہے۔ یعنی وہ لوگ وقت کو بہت قیمتی سمجھتے ہیں۔ اور ایک منٹ بھی فضول اور بیکار ضائع نہیں ہونے دیتے، مگر پانچویں چیز ان سب سے بڑھ کر ان میں یہ ہے کہ ہر انگریز دوسرے انگریز کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ چاہے ان کی آپس میں کیسی ہی عداوت اور دشمنی ہو! مگر وہ کبھی غیر قوم کے سامنے اپنے ہم قوم انگریز کی بُرائی نہیں کرتے اور اس کا عیب نہیں کھولتے۔

انگریزوں کی سلطنت کی ترقی اور استحکام کا یہی راز ہے اور اسی سے وہ ہمیشہ ہندوستان پر بلکہ دنیا پر حکومت کرتے رہیں گے، اور جب مذکورہ اوصاف خصوصاً پردہ پوشی کی صفت ان میں باقی نہیں رہے گی، تو ان کی سلطنت بھی جاتی رہے گی۔

یہی حال ہندوؤں کا ہے، وہ بھی ہر ہندو کے عیب کی پردہ پوشی کرتے ہیں، اور اسی جوہر کے سبب ہندوستان کے ہر دفتر میں اور ہر ترقی کے کام میں وہی سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ اور جب تک ان کے اندر پردہ پوشی کی صفت موجود ہے، ہندوستان میں ہندو اپنے مسلمان ہمسایوں سے آگے بڑھے رہیں گے۔

سنو۔ اچھی طرح کان کھول کر سنو۔ غور کرو۔ خوب توجہ سے غور کرو۔ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کہلانے والے مسلمانو! تم میں یہ بہت ہی بڑا عیب ہو گیا ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائیوں کی پردہ پوشی نہیں کرتے، بلکہ رات دن تمہاری یہ کوشش رہتی ہے کہ مسلمان بھائیوں کے عیب ڈھونڈ ڈھونڈ کر معلوم کرو، اور پھر ان کے ہر ایک کے سامنے بیان کرتے پھرو، جب کوئی مسلمان کسی اعلیٰ عہدہ پر پہنچ جاتا ہے، تو اس کو اپنے ماتحتوں کے عیبوں کی تلاش ہوتی ہے، اور وہ ان عیبوں کی پردہ پوشی نہیں کرتا، بلکہ سب جگہ ان عیبوں کو بیان کرتا پھرتا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ اپنے ماتحت مسلمانوں کے عیبوں کی گرفت کر کے، ان کو سزائیں دلواتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس مسلمان افسر کو بھی ایسی سزا دیتا ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن اپنے عہدہ سے گر جاتا ہے اور دنیا میں

© https://www.khwajahasannizami.info

اس کو طرح طرح کی ذلتیں اور رسوائیاں پیش آتی ہیں اور آخرت میں بھی مرنے کے بعد جب وہ خدا کے سامنے جائیگا تو اس کو دربار الٰہی سے بھی سخت عذاب کی سزا دی جائے گی، ایسے ہی وہ مسلمان جو کسی مسلمان افسر کے ماتحت ہیں اپنے اعلیٰ افسر کے عیبوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور ان کو معلوم کر کے اپنے گھروں میں اور دوستوں میں اور اعلیٰ افسر کے دشمنوں میں بیان کر کر کے خوش ہوتے ہیں۔ ان کو اس بات کا کبھی خیال نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کا حکم دیا ہے اور یہ حکم خود مسلمانوں ہی کے فائدہ کے واسطے ہے، کیونکہ جب وہ اپنے مسلمان افسر کی پردہ پوشی نہیں کرتے اور اس کے عیب ہر جگہ بیان کرتے ہیں تو وہ مسلمان افسر یا تو اس عہدے سے موقوف ہو جاتا ہے یا اس کی اور جگہ بدلی ہو جاتی ہے اور پھر اس عہدے پر کوئی انگریز یا ہندو مقرر کیا جاتا ہے اور وہ ان عیب چینی کرنے والے ماتحت مسلمانوں کو ایسا دق کرتا ہے کہ یہ سب چیخ اٹھتے ہیں۔ اور ان کو نوکری کرنی دوبھر ہو جاتی ہے۔ اگر یہ ماتحت مسلمان اپنے مسلمان افسر کی پردہ پوشی کرتے تو خدا ان کی بھی پردہ پوشی کرتا اور ان پر کبھی غیر مسلم اور جابر حاکم کو مسلط نہ فرماتا۔ کیونکہ اس نے فرما دیا ہے کہ جب بندے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، تو دنیا میں ان کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ وہ جابر اور ظالم حکمران کی رعیت بنا دیئے جاتے ہیں۔

دیکھو دیکھو اے غافل مسلمانو! عبرت سے دیکھو، کہ انگریز اگر کسی جگہ اعلیٰ افسر ہوتا ہے، اور اس کے ماتحت انگریزوں سے کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں تو وہ پردہ پوشی کرتا ہے اور جہانتک اس کے امکان میں ہوتا ہے اپنے ماتحتوں کی ایسی غلطیوں کو جو انتظامی اصول کو بالکل تباہ کرنے والی نہ ہوں بلکہ معمولی قسم کی ہوں تو ان سے چشم پوشی کرتا ہے اور خانگی طور پر بغیر عام چرچہ کے ماتحتوں کو ہدایت کر دیتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں، اور ایسے ہی ماتحت انگریز بھی اسکا خیال رکھتے ہیں، کہ اگر کوئی غلطی بشریت کے تقاضہ سے یا کسی اور وجہ سے انکا انگریز افسر کر بیٹھے تو اسکا عام چرچا نہ ہونے پائے اور پوشیدہ طور پر انگریز افسر کو اس غلطی سے آگاہ کر دیا جاتا ہے۔

ہندو قوم تو انگریزوں سے بھی زیادہ اپنی قوم کی پاسداری کرتی ہے آج تک ایک ہندو کو بھی نہیں سنا جس نے اپنے ماتحت ہندوؤں کی پردہ پوشی نہ کی ہو۔ یا ماتحت ہندوؤں نے اپنے ہندو افسر کے عیبوں پر پردہ نہ ڈالا ہو، بلکہ وہ تو اصولی اور بہت بڑی بڑی غلطیوں کو بھی چُھپا ڈالتے ہیں۔ اور ڈھلیا مٹیا کر دیتے ہیں، ہندوؤں کے اعلیٰ افسر اپنے ہر ہندو ماتحت کی پردہ پوشی کا خیال رکھتے ہیں۔ اور اس کے ماتحت بھی اپنے افسر کے عیبوں کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ پھر اگر ہندو تمام سرکاری دفتروں میں اور ہر محکمہ میں بکثرت نظر آتے ہیں۔ تو شکایت کیوں کی جاتی ہے۔ ان کو پردہ پوشی کی خصلت کا اچھا نتیجہ ملنا چاہئے۔

اے مسلمانو اگر تم بھی دنیا میں اور ہندوستان میں

© https://www.khwajahasannizami.life

دوسری قوموں کی طرح عزت اور اطمینان کی زندگی بسر کرنی چاہتے ہو تو جب تک تم اپنے اندر پردہ پوشی کی صفت پیدا نہیں کروگے، اس وقت تک نہ دنیا میں تمہیں کسی قسم کی کامیابی ہوگی، نہ ہندوستان میں تم کو کچھ فروغ حاصل ہو سکے گا۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں بڑی ہمدردی ہوتی ہے۔ اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا حامی اور مددگار ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سکھایا تھا، کہ مسلمان سب آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ مگر آج کل حالت بالکل الٹی نظر آتی ہے کہ تمام دنیا کے قوموں میں صرف مسلمان ہی ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان بھائیوں کے عیبوں کی تلاش کرتا رہتا ہے، کیونکہ ان سے باہمی ہمدردی کا جوہر گم ہوگیا ہے، اور پردہ پوشی کی صفت باہمی ہمدردی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جس قوم میں ہمدردی نہیں ہے اس کو زندہ نہ کہنا چاہئے بلکہ وہ مردہ ہے۔

ذرا خیال کرو اپنے امیروں کا اور اپنے مولویوں کا اور اپنے پیروں کا اور اپنے ملازمت پیشہ لوگوں کا اور اپنے تاجروں کا اور اپنے صنعت وحرفت کرنے والوں کا اور اپنے اچھوں کا اور اپنے بُروں کا کہ ان میں کوئی بھی ایسا ہے جو پردہ پوشی کے حکم کی تعمل کرتا ہو، اگر غور کروگے اور انصاف کے ساتھ غور کروگے تو تم کو بڑی حسرت اور ندامت ہوگی کہ ان بڑی بڑی جماعتوں میں سے کسی جماعت میں بھی پردہ پوشی کا جوہر نہیں ہے۔

جتنے والیان ریاست یا بڑے بڑے زمیندار یا بڑے بڑے عہدہ والے مسلمان ہیں ان میں سے ہر ایک اپنے ہمسر اور ہم مرتبہ اور ہم درجہ مسلمانوں کے عیبوں کی تلاش میں لگا رہتا ہے، اور ان کو دوسروں کے سامنے بیان کر کے خوش ہوتا ہے اور کبھی خود اپنے عیبوں کو نہیں دیکھتا۔

اور جو ہمارے علماء ہیں خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی، مقلد ہوں یا، غیر مقلد، صوفی ہوں یا وہابی۔ بڑے ہوں چھوٹے، بڈھے ہوں یا جوان شہر میں ہوں یا گاؤں میں سب ہی ایک دوسرے کی عیب چینی کرتے ہیں اور ہر وقت دوسرے مولویوں کی بُرائیاں بیان کرنے کے سوا کبھی اپنے ہم جنس علماء کی پردہ پوشی کا خیال ان کو نہیں آتا، اور وہ اس کو بھولے رہتے ہیں۔ کہ پردہ پوشی کی نسبت اسلام نے کیا حکم دیا تھا، اور جب ہم مسلمانوں کے سامنے دوسرے علماء کے عیبوں کو بیان کریں گے تو خود ہماری نسبت ان مسلمانوں کا کیا خیال ہوگا؟

اور ذرا اپنے صوفیوں اور مشائخ کو بھی دیکھو، جو پیر کہلاتے ہیں اور جن کا کام لوگوں کی ہدایت ہے، اور لوگوں کی اخلاقی اصلاح ہے، اور جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ پیروں میں نفس نہیں ہوتا، اور وہ اپنے نفس کی تمام بری خواہشوں کو مغلوب کر لیتے ہیں اور سوائے اپنے عیبوں کی دید کے کسی کے عیب نہیں دیکھتے، اور خدا نے ان کو اسی واسطے پیر بنایا ہے۔ کہ

اہل دنیا کے لئے نیکی اور بے نفسی اور پارسائی کا نمونہ ثابت ہوں۔ مگر وہ سب سے زیادہ نفس پرست اور دنیادار نظر آتے ہیں، اور وہ بڑے بڑے دنیا داروں سے زیادہ اپنے ہم پیشہ مشائخ اور پیروں کی بُرائیاں اور عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ان کی مجلسوں میں یادالٰہی اور مسائل دین اور حالات باطن کا بہت کم ذکر سنا جاتا ہے۔ بلکہ دوسرے صوفیوں اور مشائخ کی برائیاں ہی رات دن ان کی محفلوں میں سنی جاتی ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر حضرت علیؓ کے سلسلوں میں مرید ہوتے ہیں، مگر حضرت علیؓ کی صفت پردہ پوشی کسی میں بھی نہیں ہوتی۔

یہی حال ملازمت پیشہ مسلمانوں کا ہے اور یہی کیفیت مسلمان تاجروں کی ہے۔ اور یہی عیب مسلمان اہل صفت وحرفت میں ہر جگہ پھیلا ہوا ہے کہ وہ اپنے اپنے ہم پیشہ اور ہم جنس مسلمانوں کے عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کی بدنامی ورسوائی سے مزے لیتے ہیں۔

مسلمانو! تم زوال میں ہو، مسلمانو! تم پر غلامی چھائی ہوئی ہے۔ مسلمانو! ہندوستان میں تمہاری ہستی اور تمہاری سلامتی خطرہ میں پڑی ہوئی ہے۔ اور اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ تم بحیثیت قوم ایک دوسرے کی پردہ پوشی نہیں کرتے ، اور تم میں اپنے مسلمان بھائیوں کی ایسی ہمدردی نہیں پائی جاتی ،جیسی کہ دوسری قومیں سمجھتی ہیں، کہ مسلمان آپس میں بڑے ہمدرد ہوتے ہیں۔

اگر تم نے ترکوں یا ہندوستان کے باہر کے مسلمانوں کے لئے کچھ چندہ جمع کرلیا یا کچھ مضامین لکھ دیئے، یا کچھ جلسے کر لئے تو اس کو ہمدردی نہیں کہا جاسکتا، اصل ہمدردی تمہارے آپس کے برتاؤ سے ہونی چاہئے اور وہ برتاؤ پردہ پوشی سے ظاہر ہوسکتا ہے۔ جس طرح تم اپنے ماں باپ اور اپنے بیوی بچوں اور اپنے بہن بھائی اور اپنے دوستوں کی پردہ پوشیاں کرتے ہو اسی طرح تم کو ہر واقف اور ناواقف اچھے اور بڑے، چھوٹے اور بڑے، ہم عقیدہ یا غیر عقیدہ مسلمان کی بھی پردہ پوشی کرنی چاہئے۔ جن مسلمانوں سے فروعات کے مسائل میں تمہارا اختلاف ہو ان کے ساتھ بھی جب غیر مسلم اقوام سے سابقہ پڑے تو غیر عقیدہ مسلمانوں کی پردہ پوشی کرو۔ تاکہ خدا تمہاری پردہ پوشی کرے اور تم پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ اور تم کو دوسروں کی غلامی سے آزادی نصیب ہو اور دشمنوں کی یورش اور نقصان رسانی سے اللہ تعالیٰ تم کو بچائے۔

جو لوگ اس خطبہ سے اور اس کی سخت نصیحت سے بگڑتے ہیں اور ناراض ہوتے ہیں، درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلامی تعلیم کو فراموش کردیا ہے اور جو رات دن دوسروں کے عیبوں ہی کو دیکھتے رہتے ہیں، کبھی ان کی نظر دوسروں کی نیکیوں اور خوبیوں پر نہیں جاتی، اللہ ان کو اور ہم سب کو نیک ہدایت دے۔

مسلمانو! عیب چینی کا گناہ اور پردہ پوشی نہ کرنے کی بری خصلت سب سے زیادہ تمہاری عورتوں میں ہے جب تک تم اپنی عورتوں کو اس بری خصلت سے نہ بچاؤ گے رات دن

تمہارے بچے اپنی ماؤں سے یہی برائیاں سیکھتے رہیں گے و آخر دعوانا ان الحمد الله رب العالمین۔

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد:

الحمد الله رب العالمین ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم

درود پڑھو اللہ تعالیٰ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو بہت بڑے پردہ پوشی کرنے والے تھے، اور جو کبھی کسی کے عیب کی تلاش نہ کرتے تھے اور سلام بھیجو رسول اللہ ﷺ کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ اور تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنیؓ اور چوتھے خلیفہ حضرت علی مرتضیٰؓ پر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ جو سب کے سب مسلمانوں کے پردہ پوش تھے۔ اور کسی دوسرے کے عیبوں کی تلاش نہ کرتے تھے، اور سلام بھیجو حضرت فاطمہ زہراؓ پر جو رسول اللہ ﷺ کی لاڈلی بیٹی تھیں اور اپنے باپ کی امت کے ہر عیب کو چھپانا چاہتی تھیں۔ اور سلام رسول ﷺ کی تمام ازواج پر خصوصاً حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جو مسلمان عورتوں اور مسلمان مردوں کے تمام عیبوں کی پردہ پوش تھیں۔ اور سلام رسول اللہ ﷺ کے نواسوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ پر جنھوں نے مسلمانوں کے عیبوں کی پردہ پوشی کے لئے اپنی اور اپنے بچوں کی جانیں قربان کردیں۔ اور سلام ان کی اولاد حضرت زید العابدین محمد باقر وجعفر صادق وموسیٰ کاظم وعلی رضا وعلی تقی، ومحمد تقی وحسن عسکری پر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ جن میں سے ہر ایک کی عملی زندگی پردہ پوشی کی تھی۔ اور انھوں نے کبھی کسی کا پردہ فاش نہیں کیا، اور سلام رسول اللہ ﷺ کے چچاؤں حضرت حمزہؓ وعباسؓ پر اور رسول ﷺ کے عشاق حضرت بلالؓ اور اویس قرنیؓ اور حضرت ابوذرؓ اور سلام طلحہ وزبیر وسعد وسعید وعبد الرحمٰن وابوعبیدہ اور خالد ابن ولید پر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، جو سب کے سب مسلمانوں کے ہمدرد اور پردہ پوش تھے۔ اور سلام امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ اور تمام آئمہ اور علماء پر جو مسلمانوں کی پردہ پوشی کرنے والے تھے، اور سلام غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ اور سلطان الہند سید معین الدین چشتی اجمیریؒ اور تمام مشائخ صوفیہ پر اور سلام مولانا رومی وجامی وسعدی وخسرو اور تمام شعراء وحکماء مرسلین پر رحمت اللہ علیہم اجمعین، جن میں ہر ایک نے اپنے قول اور عمل سے مسلمانوں کی عیب پوشی کا نمونہ دکھایا۔

اور یا اللہ رحمت نازل فرما سب مسلمانوں پر جو تیری رضا مندی کے لئے مسلمانوں کی عیب پوشی کرتے ہیں۔ اور سچے مسلمانوں کا نمونہ بنتے ہیں۔

بارک الله لنا ولکم بالقرآن العظیم ، وایا کم بالایات و الذکر الحکیم، انه تعالیٰ جواد کریم، ملک بر الرئوف الرحیم۔

(ماخوذ: درویش دہلی، جلد ۵ نمبر ۱۴۔ ۱۵ اگست ۱۹۲۵ء)

☆☆☆☆☆☆☆

©https://www.khwajahasannizami.life

سلسلہ چشتیہ کی انفرادیت

از: حضرت خواجہ حسن ثانی نظامیؒ
(بہ شکریہ نیشنل چینل آل انڈیا ریڈیو)

برصغیر ہندوستان میں صوفیوں کے چار سلسلے زیادہ جانے جاتے ہیں۔ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، اور نقشبندیہ۔ لیکن ان کی گنتی چار سے کہیں زیادہ ہے اور ان سب کی نمائندگی اس بڑے اور تاریخی علاقے میں صدیوں سے موجود ہے۔ بنیادی سلسلوں اور خانوادوں میں چار پیروں اور چودہ خانوادوں کے نام لئے جاتے ہیں۔ ذیلی اور ضمنی شاخیں بے شمار ہیں۔ اہل تصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف، مذہب اسلام سے علاحدہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اگر کہیں کوئی چیز اسلام کے خلاف پائی جائے تو اسے معتبر نہیں مانا جائے گا اس طرح تمام سلسلے بلا تفریق گویا ایک ہیں۔ مگر جڑ بنیاد ایک ہونے کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کی اپنی الگ شناخت اور پہچان بھی ہے بالکل اسی طرح جیسے رسمی تعلیم دینے والے استاد اور علاج معالجہ کرنے والے حکیم ڈاکٹر ایک ہی جیسی تعلیم اور سند رکھنے کے باوجود جب پڑھانے اور علاج کرنے کے کام میں لگتے ہیں تو اپنے اپنے مخصوص طریقہ کار کی وجہ سے انفرادی شان اور مقبولیت کے مالک ہو جاتے ہیں۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ بھی اپنی جگہ ایک انفرادی شان رکھتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی اور اہم خصوصیت تو یہ ہے کہ تاریخی حوالوں کے مطابق پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے ایک روحانی اشارے کے ذریعے اس سلسلے کی عظیم شخصیت حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز علیہ الرحمہ والغفر ان کو بطور خاص برصغیر ہندوستان میں مامور فرمایا۔ جس کی وجہ سے وہ نائب رسول فی الہند، عطائے رسول ولی الہند جیسے خطابات اور القاب سے یاد کئے جانے لگے اور انھوں نے اجمیر میں تشریف فرما ہونے کے بعد خاص ہندوستانی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق اپنے سلسلے کی تعلیمات کا آغاز فرمایا۔ ان کے سلسلے کو چشتیہ نام کی نسبت اس لئے حاصل ہوئی تھی کہ ان سے سات پشت پہلے بزرگ حضرت ابو اسحٰق علیہ الرحمہ ملک شام سے آکر افغانستان اور روس کی موجودہ سرحد پر واقع ایک چھوٹے سے گاؤں چشت میں بس گئے تھے اور اس مقامی نسبت سے ان کی خانقاہ چشتی کہلانے لگی تھی۔ چشت نامی گاؤں پورب پچھّم اتر دکھن سے آنے جانے والے قافلوں کے لئے ایک پڑاؤ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور یہاں کی خانقاہ سے سلسلے کا پیغام مسافروں کے ذریعے ہر طرف پہنچ جاتا تھا۔ پھر چنگیز خاں اور ہلاکو خان کی یلغاروں نے نہ صرف سینٹرل ایشیا بلکہ مڈل ایسٹ تک کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیا۔ حکومتیں ختم ہوئیں بے شمار آدمی مارے بھی گئے۔ گھر سے بے گھر بھی ہوئے۔ تہذیب و تمدن پر بھی گویا پیغمبری وقت پڑ گیا۔ پیغمبری کا دور تو خیر ختم ہو چکا تھا لیکن پیغمبر کے سچے اور کھرے جانشینوں کا دور موجود تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونی یا ہارونی علیہ الرحمہ سجادہ چشت پر جلوہ افروز

© https://www.khwajahasannizami.life

تھے۔اور ملاحظہ فرما رہے تھے کہ جنگوں اور قتل وغارت سے اگر ایک علاقہ برباد ہو رہا ہے تو دوسرا آباد بھی ہو رہا ہے۔اور خدا کی پریشان حال مخلوق کے لئے پناہ گاہ بن رہا ہے۔ یہ علاقہ بر صغیر ہندوستان کا علاقہ تھا۔ جنگ زدہ علاقوں کے باسی جوق جوق ہندوستان کا رخ کر رہے تھے تصوف کا بنیادی کام دراصل بندوں کو خدا سے جوڑنے کا بھی تھا اور بندوں کو بندوں سے ملانے کا بھی ! وہ سدا سے اجنبی کو شناسا بناتے آئے تھے۔ برصغیر ہندوستان ایسا ویسا نہیں تھا۔ سرسبز و شاداب-ایک پرانے تمدن علمی روایات اور روحانی اور مذہبی تاریخ سے مالا مال۔ اسلام اور تصوف اور اس کے ماننے والے بھی اکثر و بیشتر ایسے علاقوں سے ہندوستان کی طرف آرہے تھے جو ہزاروں سال سے پیغمبروں کے آنے علم ودانشوری اور تہذیب وتمدن کے علم اٹھائے رکھنے کے لئے پہچانا جاتا تھا۔ چشتیہ سلسلے کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس کے نمائندے حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ نے سرکار دربار سلطنت فوج کسی کے جھمیلے میں پڑے بغیر ان دو بڑے انسانی دھاروں کو حریفانہ مقابلہ آرائی سے صاف بچا کر میل ملاپ کی اس راہ پر لگا دیا جس کی سیر ہندوشان کے دو کے دو مقدس دریا سنگم پر دکھا رہے تھے۔ چشتیہ سلسلے کے فیض سے اجنبی آدمی اجنبی آدمی کے لئے غیر نہیں رہا باہر والے اندر والوں سے اور اندر والے باہر والوں سے ابتدا میں جھجک جھجک کر ہی سہی ملنے لگے اور آشنا ہونے لگے۔

حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ نے شرائط اور پابندیوں کے ساتھ ہی سہی لیکن سماع اور موسیقی کے سُروں میں اجنبیوں کو بات سننی اور کہنی سکھائی۔ ہندوستان سنگیت کا رسیا تھا۔ دونوں طرف سے کانوں میں رس کیا گھلنے لگا۔ایک کی بات دوسرے کی سمجھ میں آنے لگی۔آدان پردان لین دین کا راستہ کھلا۔لنگر میں ایسی دلداری ہوئی کہ سب مل کر وہ کھائیں۔ جو سب کھا سکیں۔ بغیر کسی اعتراض کے۔ خواجہ صاحبؒ کی درگاہ میں اس وقت ہی کیا آج تک گوشت ماس تو کیا کبھی لہسن پیاز تک برتنوں میں نہیں ڈالا گیا۔آٹھ سو برس ہونے کو آئے۔بس میٹھا اور نمکین دلیا ہی پکا کیا کہ مذہبی اصول کے فرق ہی سے کیا، صحت اور بیماری کے فرق کے دوران بھی ہر بندہ مل بیٹھ کر کھا سکے۔ حضرت کے خلیفہ حضرت خواجہ حمید الدین ناگوریؒ ناگور پہنچے تو دیکھا کہ آبادی سب جین بھائیوں کی ہے۔اسی دن سے خود بھی سبزی بھاجی پر گزارا کرنے لگے اور اپنے پاس آنے والوں سے بھی کہہ دیا کہ کچا پکا کسی طرح کا بھی ماس گوشت لے کر میری خانقاہ میں مت آنا۔ یہ پابندی آج تک قائم ہے۔صوفیوں نے دراصل اپنے پیغمبرﷺ کی ہر بات یاد رکھی اور اس پر رتی رتی عمل کیا۔ پیغمبرﷺ نے جب نصیحت فرمائی تھی کہ ہر مسلمان کے لئے اپنے پڑوسی کو خوش رکھنا ضروری ہے اور ہر گھر کے اطراف چالیس گھر دور تک آدمی کا پڑوسی ہوتا ہے تو پھر وہ گوشت میٹ سے پڑوسیوں کا دل کیوں کو دکھاتے !

ہندوستان کے سادھوسنتوں اور جوگیوں نے حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ کے پاس آنا جانا شروع سے رکھا تھا۔

© https://www.khwajahasannizami.life

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانے میں یہ آرجار بہت بڑھ گئی۔ حضرت خواجہ نظام الدین چشتیؒ نے اپنے پیر حضرت بابا فریدؒ کی خانقاہ میں مہمان ایک جوگی سے پوچھا کچھ اپنے ہاں کا حال بتاؤ۔ جوگی نے کہا ہمارے علم میں اس طرح آیا ہے کہ آدمی کے نفس میں دو عالم ہوتے ہیں ایک عالم علوی دوسرے عالم سفلی۔ پیشانی سے ناف تک عالم علوی ہے اور ناف سے پیروں تک عالم سفلی ہے۔ کام اس طرح بنتا ہے کہ عالم علوی میں تو پوری طرح صدق وصفا اور اچھے اخلاق اور حسن معاملہ ہوں اور عالم سفلی میں نگاہ داشت اور پاکی اور پارسائی - حضرت خواجہؒ نے فرمایا مجھے اس جوگی کی یہ بات بہت اچھی لگی۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے تو اس حد تک ہندوستانیت کا خیال رکھا کہ اپنے پنجابی مریدوں کو ذکر بھی پنجابی زبان میں بتانے لگے چشتی سلسلے کی اس خصوصیت ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ سکھ گوروصاحبان نے اپنی مذہبی کتاب گوروگرنتھ صاحب میں باباصاحب کے کلام اور بانی کو جگہ دی۔

چشتی سلسلے کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے پیغمبر علیہ السلام کے حکم "اپنے دنیا کے حصے کو نہ بھولو" کے تحت ترک دنیا کا ایک نیا مفہوم پیش کیا کہ کمانا دھمانا غلط چیز نہیں ہے۔ بہت اچھی چیز ہے۔ بس دنیا سے دل لگانا اور دنیا ہی کے ہوکر رہ جانا غلط ہے۔ یہ بات گیتا اور شری کرشن جی کی تعلیم سے بھی مطابقت رکھتی تھی۔ اس لئے سب کی سمجھ میں آ گئی۔ سیوا بھاؤ کے سلسلے میں بھی حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ خدا کی فرماں برداری یعنی طاعت کی ایک شکل تو روزہ نماز جیسی عبادت ہے۔ اس کے لئے خلوص شرط ہے۔ دنیا دکھانے کو نماز پڑھی تو کچھ فائدہ نہیں ہے۔ لیکن خدا کے بندوں کی خدمت کسی طرح بھی کرنا۔ یہ بھی ایک طاعت ہے۔ جس کو طاعت متعدی کہتے ہیں۔ یہ طاعت اگر بغیر خلوص ہو تو جب بھی ثواب ہے کیونکہ دکھاوے اور ریا کاری کے لئے کسی کو کھانا کھلانے یا کپڑا پہنانے سے اتنا فائدہ تو ہو ہی گیا کہ کسی بھوکے کا پیٹ بھرا کسی ننگے کا تن ڈھکا۔ اگر خلوص سے یہ کام ہوتا تو اور بھی زیادہ اچھا ہوتا۔ اس طرح کی تعلیم نے جو دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعلیم تھی سب کا دل موہ لیا۔ اور چشتی درگاہوں اور خانقاہوں میں اپنے پرائے سب کی حاضری زور شور کے ساتھ ہونے لگی۔ سچی بات یہ ہے کہ ایسا ہونا بالکل قدرتی تھا کیونکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو بطور خاص ہندوستان کی خدمت سپرد ہوئی تھی۔ اور ہندوستان چشتیوں کی چھاؤں میں بالکل اسی طرح آ بیٹھا تھا جیسے گرمی اور لو کے موسم میں کوئی کسی گھنے سایہ دار درخت کو ڈھونڈتا ہوا آ جاتا ہے۔ حضرت بابا فرید چشتیؒ نے تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو دہلی بھیجتے وقت یہ دعا بھی دی تھی کہ خدا تجھے ایک ایسا سایہ دار درخت بنائے جس کے تلے خدا کے بندے آرام اور راحت پائیں۔ چشتیہ سلسلے کی انفرادیت اور بھی بہت طرح ہے۔ مگر وقت بہت کم ہے۔ بقول کسے رات تھوڑی اور رامائن بہت!

(ماخوذ: ماہنامہ منادی نئی دہلی جلد 75، شمارہ 4)

☆☆☆☆☆

ہندوستان میں قومی یکجہتی کی روایت

عالی جناب بشمبر ناتھ پانڈے (سابق گورنر اڑیسہ)

بابر نے ہندوستان میں مغل بادشاہیت کی بنیاد رکھی۔ جب وہ ہندوستان آیا تو ہندوستان کے بارے میں اس نے اپنی تزک میں یہ درج کیا:

''ہندوستان ایک اجنبی ملک ہے۔ ہماری ولایت سے دوسری دنیا ہے۔ پہاڑ، دریا، جنگل، جانور، نباتات، آدمی، زبان، ہوا اور مینہ سب اور ہیں۔ اگرچہ کابل کے علاقہ جات میں سے گرم سیر بعض چیزوں میں ہندوستان سے مُشابہت اور بعض میں نہیں ہے۔ مگر دریائے سندھ کے ادھر آتے ہی زمین، درخت، پتھر، قومیں اور ان کے راہ ورسم سب ہندوستانی طریق کے ہیں''

اس ہندوستانی طریق، ہندوستانی چال ڈھال، ریت رواج کو اکبر نے بڑی قابلیت اور دوراندیشی سے بڑھایا۔ اس نے اپنی حکومت کو اسی بنیادی اصول پر قائم کیا کہ قوموں اور مذہبوں کے آپسی فساد مٹ جائیں اور ہندوستان میں ہندوستانیت کا بول بالا ہو۔ اکبر کے خیالات اور اصولوں کو اس کے سمجھدار اور قابل وزیر ابوالفضل نے ان لفظوں میں ظاہر کیا ہے، جو کشمیر کے ایک مندر کی دیوار پر نقش ہیں:

''اے الٰہی! جس گھر کو دیکھتا ہوں اس میں تیرے کھوجنے والے ہیں، اور جس زبان کو سنتا ہوں اس میں تیرا ہی چرچا ہے۔ کفر اور اسلام تیرے ہی راستے پر دوڑتے ہیں اور کہتے ہیں۔ تو ایک ہی ہے، تیرا کوئی ساجھی دار نہیں۔ مسجد ہے تو اس میں تیری یاد میں نعرۂ قدوس بلند ہوتے ہیں اگر گرجا ہے تو تیرے ہی پریم میں گھنٹے بجاتے ہیں۔ کبھی میں بت خانے میں بیٹھ کر تیری عبادت کرتا ہوں، کبھی مسجد میں، یعنی تجھے ہی گھر گھر میں ڈھونڈتا ہوں، جو تیرے خصوصی لوگ ہیں انھیں نہ کفر سے مطلب ہے نہ اسلام سے، کیوں کہ ان دونوں کے لئے تیری قبولیت کے پردے میں جگہ نہیں ہے۔ کفر کافر کے لیے اور دین دیندار کے لیے ہے، پرگندھی کے دل کے لیے گلاب کا عطر ہی چاہئے۔ اس عبادت گاہ کو ہندوستان کے موحدوں کے دلوں کو ملانے کے لیے اور خاص طور پر کشمیر کے پجاریوں کے لیے بنایا گیا ہے۔''

ہندوستان میں مسلم حکومت کی بنیاد ترک حملہ آوروں نے ڈالی۔ ترکوں کا ہندوستان میں آنا اتنا ہی عجیب وغریب قدرتی واقعہ ہے جتنا طوفانوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منڈلانا۔ ترکوں نے آکر ہندوستان کو اس کی جڑوں تک ہلا دیا۔ اور لوگوں کو جھنجھوڑ کر نئی اُمیدوں کے لئے جگا کر تیار کر دیا۔ اس تبدیلی نے بھارت کی سماجی بنیادوں کو ہی بدل دیا۔ آریوں کی آمد نے بھارت کی سماجی زندگی کو جس طرح جڑ

©https://www.khwajahasannizami.life

سے ہلا دیا تھا۔ ترکوں کا حملہ اس سے تھوڑا ہی کچھ کم رہا۔ لیکن طوفان کے بعد سکون لازمی ہے اور زلزلے کے بعد تعمیر ضروری ہے۔ جب دو ندیوں کا سنگم ہوتا ہے تو دونوں ندیوں کی دھاریں گرجتی ہوئی ٹکراتی ہیں، لیکن فوراً ہی رل مل کر ایک دھارے میں بہنے لگ جاتی ہیں۔ الہ آباد میں گنگا جمنا کی دھاراؤں کے سنگم کے بعد کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اسی طرح ہندو مسلمان آپس میں ٹکرا کر محبت کے ایک انسانی سنگم میں ملے تھے۔ دونوں کے تہذیب و تمدن الگ الگ تھے۔ کلچر الگ الگ تھے، لیکن آپس میں مل کر ان کے الگ الگ کلچروں نے ایک متحدہ ہندوستانی کلچر کی شکل اختیار کر لی۔ کلچر کی اس نئی دھارا نے صنعت اور حرفت، کلا اور سائنس، ادب اور شاعری، چتر کاری، مصوّری اور بت گری کے چمن کو سرسبز کر دیا۔

ترکوں کے حملے کے تین سو برس پہلے سے عرب مورخ بھارت کی تہذیب و تمدن اور اسکے علم کے خزانے کو سمجھنے کی لگاتار کوششیں کر رہے تھے۔ ہندوستان اور عرب کے بیچ پرانے زمانے سے تجارتی تعلقات چلے آ رہے تھے، لیکن موجودہ تعلقات کا سرا ہم اسی وقت سے جوڑ سکتے ہیں جب عربوں نے اپنی مشرقی سلطنت میں تہذیب کے نئے نئے مرکز قائم کیے۔ خلیفہ عمرؓ کے زمانے تک اسلامی دنیا کو ہندوستان کے متعلق بہت کم واقفیت تھی۔ ہندوستان کے سمندری کناروں کے بارے میں عرب اور ایرانی ملاحوں کو تھوڑی بہت واقفیت تھی اور وہ ہندستان کی تجارتی دولت کی تعریف کے گیت گایا کرتے تھے، جب خلیفہ عمرؓ نے ایک عرب ملّاح سے ہندوستان کے متعلق تحقیقات کی تو وہ تعریف کے پل باندھ کر کہنے لگا کہ: ''ہندوستان کے دریا موتیوں سے لبریز ہیں اور اس کے پہاڑوں میں ہیرے جواہرات کی کانیں ہیں اور اس کے پیڑ پودے اور پھول خوشبوؤں سے معطر ہیں۔'' لیکن ہندوستان سے متعلق صحیح صحیح جانکاری حاصل کرنے کی پہلی کوشش شائد خلیفہ عثمانؓ کے زمانے میں کی گئی۔ عثمانؓ نے ۶۲۴ء اور ۶۵۵ء کے بیچ حکیم بن جبلہ کو ہندوستان بھیجا کہ وہ پتہ لگا کر ہندوستان کے بارے میں صحیح صحیح خبریں خلیفہ کو دیں۔ جبلہ نے ہندوستان آ کر یہاں کے متعلق ایک رپورٹ تیار کر کے خلیفہ کے سامنے پیش کی۔

اس بات کے بھی بہت سے ثبوت ملتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں ایران سے لگے ہوئے ہندوستان کے صوبوں کے ساتھ عرب تاجروں کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ ہندوستان کے ان خطوں کے ہندوستانی قبیلوں اور ایرانیوں نے اسلام قبول کیا تو تجارتی تعلقات کے ساتھ کلچری تعلقات بھی بڑھے۔ ایک زمانے میں خراسان، ترکستان، ایران اور آذربائجان بدھ مذہب کے مرکز تھے، اور بدھ مذہب کے پیرو عراق اور شام کی سرحد تک پھیلے ہوئے تھے۔ حالانکہ ان ملکوں کے رہنے والوں نے بودھ مذہب کی

جگہ اسلام قبول کرلیا، پھر بھی ان کے دلوں میں ہندوستان کے لیے ایک محبت اور عزت قائم رہی۔

جب کہ آپس کے تعلقات بہت تھوڑے تھے، تب بھی مسلمان ہندوستان کو دنیا کا سب سے زیادہ تہذیب یافتہ ملک سمجھ کر اس کی بے حد قدر اور عزت کرتے تھے۔ ہندوستان کی تعریف میں اسلام کے پیغمبرﷺ اور ان کے صحابیوںؓ کی روایتیں لفظ بلفظ پیش کی جاتی تھیں۔

ان روایتوں کے متعلق تھوڑا سا اختلاف رائے ہوسکتا ہے لیکن یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شروع زمانے کے اسلامی ادب میں ہندوستان کی تعریف درج ہے۔ اس زمانے کے عرب سوداگروں نے گجرات کے بلہر راجاؤں کو مہربان اور محسن پایا جنھوں نے سمندر کے کنارے کنارے انھیں اپنی بستیاں اور مسجدیں بنانے کی اجازت دی۔ ان عربوں نے ہندو لڑکیوں ہی سے شادی کی جن کی اولاد ملابار میں موپلا اور کوکن میں ہٹیا کے نام سے مشہور ہوئی۔

اگر ہم ملابار کے راجہ چیرومن پیرومل کے اسلام قبول کرنے کی عام فہم کہانی کو صحیح مان لیں تو ہمیں ہندوستان کی مسلم نو آبادیوں کا وقت پیغمبرﷺ کی زندگی کے قریب ماننا پڑے گا۔

کہانی یہ ہے کہ عرب سوداگروں کا ایک جھنڈ آدم کی چوٹی کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ کنگانور کے بندرگاہ میں راجہ چیرومن پیرومل نے ان سوداگروں کا استقبال کیا۔ سوداگروں نے رسول اللہﷺ کے چاند کے ٹکڑے کیے جانے کی کہانی راجا کو سنائی۔ راجا بے حد متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کرلیا اور ان سوداگروں کے ساتھ مدینے کی زیارت کے لیے چل پڑا۔ واپسی میں راستے ہی میں اس کی موت ہوگئی۔ چیرومن نے مسلمانوں کو شاہی فرمان کے ذریعہ مسجدیں بنانے کی اجازت دی۔ اُسی فرمان کے تحت ملابار میں کئی جگہ مسجدیں بنائی گئیں۔ مورّخ بلاذری بھی ۸۴۲ء کے قریب مغربی ہندوستان کے ایک دوسرے راجا کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ سُناتا ہے۔ بزرگ بن شہریار اور سلمان تاجر جو نویں صدی میں ہندوستان آئے تھے لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے راجاؤں کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے بے حد حُسن ظن موجود تھا۔

پتہ نہیں کیسے مسلمانوں کے دلوں میں یہ اعتقاد گھر کر گیا کہ انسانی قوم کے پہلے پیغمبر اور پہلے انسان حضرت آدمؑ بہشت سے نکالے جانے کے بعد ہندوستان میں آکر اترے، اور ہندوستان میں جو خوشبودار پھول اور جڑی بوٹیاں ہیں وہ حضرت آدم ہی بہشت سے یہاں لائے تھے۔

بعد کے مسلم ادیبوں نے دوسرے ملکوں کے مقابلے میں بھارت کے بڑپّن پر اس بنا پر زور دیا ہے کہ حضرت آدمؑ پہلے پیغمبر تھے۔ اور اللہ نے سب سے پہلے اپنا حکم انھیں کو سنایا، اور آدم چوں کہ اس وقت ہندوستان میں تھے اس لیے ہندوستان کو ہی سب سے پہلے اللہ کا پیغام سننے کا فخر حاصل

ہوا۔ ممکن ہے شاید اسلام کے پیغمبر نے فرمایا ہے:

''میں ہندوستان سے آتی ہوئی اللہ کی معرفت کی بھینی بھینی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔''

عام مسلمانوں کے نزدیک ہندوستان کی سرزمین کی پاکیزگی کی یہ آخری اور زبردست دلیل ہے۔ اس طرح کی کہانیاں کیسے شروع ہوئیں، اس کی ظاہراً ابھی تک کوئی وجہ معلوم نہ ہوسکی۔ لیکن پڑھے لکھے اور سمجھ دار لوگ بھی انھیں لفظ بلفظ صحیح مانتے ہیں۔

ابن بطوطہ نے ۱۳۲۷ء میں حضرت آدمؑ کے ان پاک قدموں کے نشان کی زیارت کی تھی۔ اس نشان کو دیکھ کر اس نے لکھا ہے: ''حضرت آدم کے قدموں کا یہ پاک نشان ایک اونچے کالے پتھر پر نقش ہے۔ یہ نشان سوا آٹھ فٹ لمبا ہے اور پتھر پر اتنا اندر دھنس گیا ہے کہ اب تک جیوں کا تیوں قائم ہے۔ ان باتوں سے مسلمان ہندوستان کے اور زیادہ قریب آتے تھے اور اسے اپنا پاک ملک سمجھ کر اس سے محبت کرتے تھے۔

اسی طرح ہندو بھی مسلمان کے کعبے کو اپنی عبادت گاہ سمجھتے تھے۔ ایک زمانے میں کعبہ، عرب اور عرب کے آس پاس رہنے والے سبھی مذہب والوں کا ایک پاک مرکز تھا۔ ایک انگریز مورخ برٹن لکھتا ہے:

''ہندو پنڈت اس بات کو دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ مکّے میں شیو اور پاروتی کپوتیسور اور کپوتسیوری کی شکل میں موجود ہیں۔ کچھ عرب ادیبوں نے بھی لکھا ہے کہ پیغمبر محمدﷺ صاحب کے وقت مکہ کے بتوں میں لکڑی میں کُھدی ہوئی کبوتر اور کبوتری کی مورتیاں تھیں۔ جنھیں حضرت علیؓ نے پیغمبرﷺ کے کندھے پر چڑھ کر نیچے گرا دیا تھا۔''

ایک دوسرا انگریز ادیب ولفورڈ لکھتا ہے: ''ہندو کہتے ہیں کہ مکّہ یا مکھیش میں جو 'سنگ اسود' ہے وہ ''مکھیشور'' شیو کے اوتار کا نشان ہے۔ شیو اور پاروتی نے حجاز کے اپنے بھگتوں کی تپسیا سے خوش ہو کر مکھیشور کی شکل میں مکہ میں اوتار لیا تھا۔''

جب عرب مسلمانوں نے ۷۱۲ء میں سندھ کو فتح کیا تو انھوں نے دیکھا کہ سندھ کا صوبہ بدھوں اور برہمن حاکموں میں بٹا ہوا ہے۔ برہمن حکمرانوں اور عربوں کی لڑائی میں بدھوں نے عربوں کا ساتھ دیا اور سندھ پر عربوں کی فتح کو آسان بنا دیا۔ سندھ فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے اعلان کیا کہ:

''ہندوستان کے باشندے بھی ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اور ان کے مندر بھی عیسائیوں کے گرجوں، یہودیوں کے سیناگاگوں اور ماگیوں کے آتشکدوں کی طرح ہیں اور ہندوستانی بھی اسی طرح اہل کتاب ہیں جس طرح عیسائی اور یہودی۔''

ایک جرمن عالم فان کریمر لکھتا ہے:

''سندھ میں محمد بن قاسم کی حکومت میں اور اس کے بعد بھی برہمنوں کی عزّت اور ان کا رتبہ جیوں کا تیوں قائم رہا۔ زمین کی مالگذاری بھی حسب معمول جیوں کی تیوں تین

فیصدی جاری رکھی گئی۔ ہندوؤں کو کھلی اجازت تھی کہ اپنے مندر بنانے کے لئے وہ آزاد ہیں۔ ہندو تاجر مسلمان تاجروں کے ساتھ اپنی تجارت بڑھانے کے لیے جو طریقہ مناسب سمجھتے تھے عمل میں لاتے تھے۔ عربوں اور سندھیوں میں اس قدر باہمی تعلقات اور محبت کے رشتے قائم ہوئے کہ جس کی وجہ سے خلیفہ تک نے سندھ میں مندروں کو گرانے یا اسلام کے پرچار کی اجازت نہیں دی۔''

ایک انگریز مورّخ لکھتا ہے:

''یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عرب فاتح جو روّیہ ماتحت قوموں کے ساتھ برتتے تھے، وہ ہندوستان میں آکر بالکل پلٹ گیا۔ ہندوؤں کے مندروں کو جیوں کا تیوں محفوظ چھوڑ دیا گیا، اور بت پرستی پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ ہندوستان کی لڑائی دھرم یُدھ یا جہاد نہیں رہ گئی کیوں کہ مذہب بدلنے کا وہاں سوال ہی نہیں اُٹھایا گیا۔ سندھ میں اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ بتوں کی پوجا کی بھی اجازت ہوگئی اور اس طرح باوجود اسلامی حکومت کے بھارت ایک بند پرست ملک بنا رہ گیا۔''

ان حالات میں ہندو مذہب اور اسلام ایک دوسرے سے کھلے دل سے ملے اور دونوں میں کلچری تعلقات قائم ہوئے۔ سندھ اکیلا ایسا صوبہ نہیں تھا جہاں دونوں فرقوں کے بیچ دوستانہ سماجی تعلقات قائم تھے، بلکہ تمام مغربی ہند میں آباد مسلمان، ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر محبت کے ساتھ رہے تھے۔ جو مسلمان ادیب ہندوستان آئے ان کے مطابق مسلمانوں اور ہندوستان کے بدھوں میں دوستانہ بھائی چارہ قائم ہوگیا تھا۔ بزرگ بن شہریار نویں صدی کے ہندوستان کے مغربی ساحل کے بارے میں اپنے نجی تجربوں کی بنا پر لکھتا ہے:

''بکور یا بھکھوؤں کو مسلمانوں سے محبت ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کے دلوں میں بے حد قدر ہے۔''

کچھ بھکھو خلیفہ عمرؓ کے زمانے میں عرب پہنچے۔ ان میں سے جو لوگ صحیح سلامت ہندوستان واپس لوٹے انھوں نے بتایا کہ مسلمانوں کا خلیفہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتا ہے، اور غرور اسے چھو تک نہیں گیا۔ شہریار لکھتا ہے:

''یہی وجہ ہے کہ بودھ مسلمانوں سے اتنی محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اتنی ہمدردی رکھتے ہیں۔''

سلیمان تاجر کے مطابق: ''راجہ بلہر کی طرح راجہ گوج بھی عربوں کی طرف دوستانہ تعلقات رکھتا ہے۔''

اصطخری ۹۵۱ء میں ہندوستان آیا تھا۔ اس نے اپنے سفرنامے میں ذکر کیا ہے کہ ہندو اور مسلمان مل کر تجارت کرتے ہیں، دونوں میں اس قدر یک جہتی ہے کہ ملے جلے رسم رواج اور باہمی میل جول کے لئے قاعدے بنتے جا رہے ہیں۔ ابن حوقل کے مطابق:

''ملتان میں ہندو اور مسلمان ایک طرح کی پوشاک پہنتے ہیں اور ایک ہی فیشن سے بال سنوارتے ہیں۔ منصورہ، ملتان اور آس پاس کے شہروں میں ہندو مسلمان دونوں یکساں

© https://www.khwajahasannizami.life

عربی اور سندھی زبان بولتے ہیں۔''

اصطخری کے مطابق:

''ہندو علاقوں میں مسلمانوں نے جگہ جگہ اپنی بستیاں قائم کرلی ہیں اور عبادت کے لیے مسجدیں تعمیر کرلی ہیں۔ بعض جگہ مسجدیں اور مندر پاس پاس قائم کیے گئے ہیں، اور بلا کسی فرق کے دونوں مذہب کے لوگ اپنی اپنی عبادت گاہوں میں اپنے طریقے سے عبادت کرتے ہیں۔''

تجارت کے مرکز کلچری لین دین کے بھی مرکز بن گئے۔ ان میں خوزدار، محفوظاہ، منصورہ اور جندور جیسے شہر ملے جلے کلچر کے مرکز تھے۔ جو مسلمان ان شہروں میں آباد تھے وہ قوم کے عرب تھے۔ وہ آپس میں اس قدر مل جل گئے تھے کہ کچھ پیڑھیوں کے بعد ان کا پہچانا جانا بھی ناممکن ہوگیا۔ ان کے طرز طریقے رہن سہن بالکل ہندوؤں جیسے ہوگئے۔ دکن بھارت میں تو ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جو حضرت علیؓ کو شیو کا اوتار سمجھ کر ان کی عبادت کرتی تھی۔

تجارتی تعلقات کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے کلچری تعلقات بڑھے ویسے ویسے ہندوستانیوں اور عربوں میں ایک دوسرے کو جاننے اور سمجھنے اور ایک دوسرے کے مذہب کے مطابق زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے کی خواہش بھی بڑھی مثال کے طور پر مسعودی لکھتا ہے:

''کھمبھایت کا راجہ مسلمان اور دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ جو اس کے دربار میں آتے تھے، مذہبی فلسفوں پر خیالات کا تبادلہ کرتا تھا۔''

اسی طرح بزرگ بن شہریار لکھتا ہے کہ الور کے راجہ مہروگ نے جس کا راج اُپرلے اور نچلے کشمیر کے بیچ میں تھا، منصورہ کے راجہ کو لکھا کہ وہ کسی ایسے قابل آدمی کو بھیجے جو ہندی زبان میں اسلام کے اصولوں کو اُسے سمجھا سکے۔ منصورہ کے راجہ نے عبداللہ نام کے ایک قابل شخص کو جو تین برس منصورہ میں رہ چکا تھا، الور بھیجا۔ اس نے قرآن کا ہندی میں ترجمہ کرکے راجا کو سنایا۔ راجا پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ اس طرح کے اثر پڑنے اس وقت قدرتی تھے۔ اس کے بعد مسلم ممالک کے ساتھ ہندوؤں کی آمدورفت شروع ہوئی اور دونوں کے سماجی تعلقات زیادہ گہرے اور دلچسپ ہوتے گئے۔

سلیمان لکھتا ہے: ''عراق کے بندرگاہ سیراف میں بہت سے ہندو رہتے ہیں اور جب کوئی عرب سوداگر ان کی دعوت کرتا ہے تو ان کی تعداد سو ۱۰۰ تک پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے ہر شخص کا کھانا الگ الگ رکابیوں میں پیش کیا جاتا ہے، کیونکہ ایک ہی رکابی میں کوئی دوسرے کے ساتھ نہیں کھاتا۔'' انھیں ہندوؤں کے متعلق بزرگ بن شہریار کہتا ہے:

''یہ لوگ بول چال کی عربی اس قدر بلاغت اور فصاحت سے بولتے ہیں کہ ہمارے عالم فاضل اور مولوی بالکل دنگ اور حیران رہ جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں عام طور پر سندھی، گجراتی اور ملتانی ہندو ہیں جو نامعلوم زمانے سے ہمارے ملک کے ساتھ تجارت کرتے آرہے ہیں۔''

© https://www.khwajahesamnizami.life

ہندوستان کے مسلم ملکوں کے ساتھ بذریعہ تجارت تعلقات قائم ہوئے، اور ہندوستان اسلامی دنیا پر اپنے علم، اپنی روحانیت اپنے مذہبی فلسفے اور اپنی سائنس کا گہرا اثر ڈال پایا۔ عرب اور ایرانی سوداگر بھارت سے تجارتی مال کے ساتھ ساتھ فن، روحانیت اور سائنس کے کھوے بھی لے جاتے تھے۔

عباسی خلیفاؤں کے دربار تو گیان وِگیان کے مرکز بن گئے۔ کثیر تعداد میں ہندو پنڈت بغداد میں اکٹھا ہونے لگے۔ خلیفہ کے دربار میں نجوم اور طب کے سب سے اونچے عہدوں پر ہندو پنڈت ہی مقرر تھے۔ مسلمان عالموں کے دلوں میں گیانی دھیانی اور روحانی ہندوستان کو جاننے کی بے حد دلچسپی پیدا ہوئی۔

عرب کے عالم جنھیں علم کا سچّا شوق اور ذوق تھا، انگنت تعداد میں ہندوستان آنے لگے۔ ان میں عام مورّخ، سائنس داں شامل تھے، جو ہندوستان آکر علم کے اٹوٹ خزانے سے مالا مال ہونے لگے۔ خلیفہ ہارون رشید کے وزیر یحیٰ برمکی نے ایک عالم کو اس بات کے لیے مقرر کیا کہ وہ ہندوستان کے مختلف مذاہب کے فلسفوں اور ہندوستان کی جڑی بوٹیوں کے بارے میں اپنی مفصل رپورٹ پیش کرے۔ ابن النجیم کا کہنا ہے کہ اس نے بتاریخ ۳۴۹ھ کی الکندیؔ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اس رپورٹ کی ایک نقل دیکھی ہے۔

ابن النجیم کے مطابق اس رپورٹ میں بلہر راجا کے دارالسلطنت مہانگر کے مندروں اور ملتان و ہندوستان کے مختلف مذہبوں اور چھوٹے چھوٹے فرقوں کا بھی بیان تھا۔ ابن النجیم نے پوری رپورٹ کا خلاصہ بھی دیا ہے۔ جن فرقوں کا اس میں بیان ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں: ''مہا کالیا، آدتیہ بھگتیا، چندر بھگتیا، وکرانیتا، ان کے پیرو زنجیر پہنتے تھے۔ گنگا یا تریا، راج پتریا ایک اور فرقہ جس کے پیرو لمبے بال رکھتے تھے شراب سے پرہیز رکھتے تھے اور عورتوں سے بچتے تھے۔ اس وقت کے ایک راجہ کی بابت یہ بیان درج ہے کہ اس نے خلیفہ ہارون رشید کو خط لکھ کر کسی ایسے مسلمان عالم کو بھیجنے کی درخواست کی کہ جو راجہ کے ہندو پنڈتوں سے مذہبی بحث کر سکے۔ ایک دوسرے بیان کے مطابق راجا نے ایک مسلمان عالم کو اس لیے بلایا تھا کہ وہ ایک بدھ منطقی سے بحث کر سکے۔ ممکن ہے کہ دوسرا بیان صحیح ہو۔ بہرحال وہ دوسرا عالم ہندوستان آیا۔ کئی دن تک بحث چلی۔ مسلمان منطقی قرآن و حدیث کو آخری سند کہہ کر پیش کرتا تھا اور بدھ منطقی دونوں سے انکار کرتا تھا۔ اس کے بعد بحث خدا پرستی پر شروع ہوگی اور بدھ لاجواب ہونے لگا۔ اور اس نے ہار کی ذلت سے بچنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ ایک دن اس مسلمان عالم کو زہر دے کر ختم کروا دیا۔

مسلمانوں کی ہندوستان آمد کے وقت یہ ملک بیشمار خاندانوں، فرقوں، ذاتوں، قبیلوں، رجواڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ جب پٹھانوں اور مغلوں کی بادشاہت قائم ہوئی تو اس سماجی تقسیم میں کمی ہوئی، لیکن کچھ عرصے کے بعد مسلمانوں کی سماجی ملّت ایک حد تک ہندو ڈھانچے کی نقل بن گئی، اگر ہندوؤں

میں ذات پات، روزگار دھندے کی بنا پر الگ الگ فرقے اور مذہبی گروہ تھے تو یہی کیفیت مسلمانوں کی ہوگئی۔ راجپوت، مراٹھا، دراوڑ، برہمن، کھتری، ویشیہ، شودر اور ان کی بے شمار شاخوں سونار، لوہار، بڑھئی، کیوٹ، کایستھ، شیو، وشنو، شاکت میں ہندو بٹے تھے تو ایرانی، خراسانی، پٹھان، دکن، ہندوستانی، مومن، بنکر، قصائی، قریشی، حجام، شیعہ، سنّی مسلمانوں میں مسلمان بٹ گئے۔ دولت اور رتبے کے لحاظ سے ہندوؤں میں برہمن، ٹھاکر، سیٹھ، سوہوکار اور کایستھ اونچے درجے میں سمجھے جاتے تھے، اور جو ذاتیں دستکاری، دھندے اور مزدوری میں لگی تھیں نیچے درجے کی سمجھی جاتی تھیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں شریف اور رذیل کی تقسیم ہوتی گئی۔

تیس ۳۰، چالیس ۴۰ برس پہلے میں الہ آباد میں اپنے ایک مسلمان پروفیسر دوست کے یہاں ملنے چلا گیا تو دیکھا کہ وہ بہت لمبی فہرست لیے ہوئے غور سے اس کا مطالعہ کررہے ہیں۔ میں نے پوچھا: ''بھائی جان! یہ کیا فہرست ہے۔'' بولے۔''بھائی! تم تو جانتے ہو کہ ہم لوگ بھٹناگر کایستھ سے مسلمان ہوئے، تو میں نے ایسے بھٹناگر مسلمانوں کی فہرست مرتب کر کے رکھی ہے۔ جب کسی کو اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی کی ضرورت ہوتی ہے تو میں ان کی حیثیت کے مطابق بھٹناگر مسلمان خاندانوں کے لڑکے لڑکیوں کی اطلاع دیتا ہوں۔ ہم لوگ اپنی برادری سے باہر شادی نہیں کرتے۔''

اسی طرح الہ آباد میں میں نے دیکھا کہ نائی، مومن، قریشی سب اپنی برادری کے اندر ہی شادی کرتے ہیں۔ یہی کیفیت میں نے عیسائیوں میں بھی دیکھی۔ الہ آباد کے ایونگ کرسچن کالج کے اپنے دوست پروفیسر بھٹی سے ایک دن میں ملنے گیا۔ ان کے کمرے میں پروفیسر ایڈمس بھی آگئے۔ انھوں نے ایک گلاس پانی کی التجا کی بھٹی نے اپنے چپراسی سے کہا، ذرا پروفیسر صاحب کو پانی پلاؤ۔ اس نے صراحی سے ایک گلاس پانی ڈال کر ایڈمس کے سامنے پیش کیا۔ پانی پی کر ایڈمس نے گلاس چپراسی کو دینا چاہا تو اس نے کہا!''صاحب بھویں مادھر دے۔'' بھٹی بولے۔''کیوں جی تم تو عیسائی ہو گئے ہو۔ اب تمھیں گلاس لینے میں کیا اعتراض ہے؟''چپراسی بولا۔ ''صاحب! عیسائی بھین ہیں تو کا اپن دھرم دین ہیں''؟

غرض یہ کہ ہندوؤں کے نزدیک دھرم سمٹ کر چوکے چولہے اور روٹی بیٹی تک رہ گیا اور مسلمان سختی کے ساتھ اپنی پشتینی ذات پات کی حفاظت کرنے لگے۔

۱۹۵۰ء کے قریب جب میں الہ آباد میونسپلٹی کا چیرمین تھا تب وہاں اکبر الہ آبادی کے بھانجے کسی محکمے کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ ایک دن آ کر مجھ سے کہنے لگے:''چیرمین صاحب! آپ تو باہر بہت دورے کرتے ہیں، میری لڑکی نے ایم۔اے پاس کرلیا ہے، میں سخت پریشان ہوں اس کی شادی کے لیے۔ کہیں کوئی لڑکا آپ کو دکھائی دے تو چرچا کریں۔ مگر ہاں ایک بات کا خیال رہے کہ ہم سنّی رضوی ہیں شیعہ نہیں۔''

یہ ذات پات کی علّت ہندوؤں میں اتنی بڑھی کہ

© https://www.khwajahasannizami.life

ہندو سماج ۳۱۲۸ ذاتوں میں بٹ گیا۔ پچھلی صدی میں کیرل کے نمودری برہمن عیسائی ہوئے تو انھیں سخت اعتراض ہوا کہ ان کے گرجوں میں اچھوت ایزوا آنے نہ پائیں۔ اس کے لیے انھوں نے پوپ سے اپیل کی۔ پوپ نے یہ مذہبی فتویٰ دے کر پابندی لگادی کہ ایزوا عیسائی آئندہ نموداری برہمن عیسائیوں کے گرجوں میں عبادت کے لئے نہ جائیں۔

مسلم بہنوں نے بھی اپنی ہندو بہنوں کا ہی چلن اپنایا۔ سنگار، پوشاک، زیور، ملنا جُلنا، روزمرہ کے طریقے سب باتوں میں انھوں نے ہندو بہنوں کا طریقہ برتنا شروع کیا۔ مسلمانوں کے یہاں نکاح کی رسمیں بھی ہندوؤں کی طرح ہونے لگیں۔ نسبت، ہلدی، مہندی، تیل، منڈوا، بارات، جلوا، کنگن وغیرہ رسمیں مسلمانوں نے جیوں کی تیوں ہندوؤں سے لے لیں۔ شادی کی رسم میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صرف ایک فرق رہ گیا: جب کہ ہندو نوشہ اور دلہن آگ کے چاروں طرف وید منتر کی دھن کے ساتھ پھیرے ڈالتے ہیں، مسلمانوں میں قاضی قرآن کی آیتیں پڑھ کر نکاح کراتے ہیں۔ چھوٹی عمر کی لڑکیوں کی شادی، بیوہ کی شادی کی ناپسندیدگی، پردہ اور عورتوں کے اوپر مرد کا پورا حق وغیرہ باتیں ہندو مسلمان میں یکساں ہوگئیں۔

یہ صحیح ہے کہ دونوں کے مذہبی تیوہار، روزہ اور اپواس الگ الگ رہے، لیکن ان کے منانے کا طریقہ بہت کچھ یکساں ہے۔ محرم دسہرا ایک طرح سے منایا جانے لگا۔ کبھی کبھی تو محرّم اور دسہرا ایک ساتھ پڑتے تھے۔ اسی پر اکبرالہ آبادی نے لکھا تھا؎

محرم اور دسہرا ساتھ ہوگا
نباہ انکا خدا کے ہاتھ ہوگا

شب برأت اور شیو راتری، رمضان اور نوراتری، بقرعید اور درگاشٹمی سب ایک طرح سے ہونے لگے۔ وہی روزے وہی جشن، وہی قربانیاں۔ ان کے علاوہ تیج تیوہاروں اور میلے ٹھیلے میں دونوں ایک ہی طرح حصہ لینے لگے۔ اکثر مسلمان نوجوان ہولی کھیلتے تھے اور لاکھوں ہندو محرم میں شریک ہوکر تعزیے کے نیچے سے نکلتے تھے۔

مسلمانوں نے بعد وفات کفن دفن کے بہت سے ہندو رواج اختیار کر لیے جیسے تیجا، دسواں وغیرہ حاملہ عورتوں کا پنچ ماسہ، ست ماسہ، بچے کی پیدائش کی چھٹی، بچے کی کھیر چٹائی، سالگرہ، مونڈن، کن چھیدن ہندو مسلمان دونوں ہی ایک ہی طرح سے منانے لگے۔ یہاں تک کہ ہندوؤں میں جوستی کا رواج تھا، جس میں بیوی اپنے خاوند کے مرنے پر زندہ چتا پر جل جاتی تھی۔ ویسا ہی رواج مسلمان عورتوں میں بھی شروع ہوگیا تھا۔ وہ شوہر کے مرنے پر جوہر کرنے لگیں۔ جوہر وسط ایشیا کے شکوں میں عام فہم تھا۔ محمد بن تغلق اور عین الملک کی لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ عین الملک کے ہارنے پر اس کی بیوی نے جوہر کر کے اپنے کو جلا کر ختم کردیا۔ ”ظفر نامہ“ کے مطابق بھٹنیر کا صوبہ دار کمال الدین جب تیمور کے خلاف جنگ میں جانے لگا تو اس کی بیوی نے جوہر کر کے اپنے کو جلا

کر ختم کر دیا۔ امیر خسروؒ نے اس کے متعلق لکھا ہے۔

''چوں زنِ ہندی کسے در عاشقی دیوانہ نیست
سوختن بر شمع شوہر کارِ ہر پروانہ نیست''

جہاں تک پوشاک اور کپڑوں کا تعلق ہے ہندوستان کے مسلمانوں نے عرب، ایران اور وسط ایشیا کی پوشاکوں کو چھوڑ کر آب وہوا کے لحاظ سے ہندو پوشاک کو کچھ ترمیم کے ساتھ اپنایا۔ عربی عمامہ جبّہ، ردا گلے سے نیچے تک کا تہبند، تسمہ اور وسط ایشیا کا کلاہ، نِکا، موزہ، سب یہاں آ کر غائب ہو گئے اور ان کی جگہ پگڑی، کرتا، انگرکھا، پٹکا، اچکن، چپکن، دوپٹہ، پاجامہ اور جوتے نے لے لی۔ ہر صوبے کے ہندو مسلمان کی پوشاک یکساں ہوگئی۔ اتر پردیش خاص کر لکھنؤ میں ہندو مسلمان دونوں چوڑی دار پاجامہ، شیروانی اور دو پلی ٹوپی پہننے لگے، تو پنجاب کے ہندو مسلمان شلوار پہننے لگے اور صافہ پگڑی باندھنے لگے۔ دیہات کے ہندو مسلمان آب وہوا کے لحاظ سے کمر کے نیچے تہبند یا چھوٹی دھوتی پہنتے تھے، کندھے پر پٹکا ڈال لیتے تھے، باقی ننگے بدن رہتے تھے۔ دکن میں ہندو مسلمان دونوں ہی لنگی پہننے لگے۔ عرب حملہ آوروں کی مادری زبان عربی تھی، وسط ایشیا کی حملہ آوروں کی مادری زبان ترکی تھی، اور مغل حکومت میں سرکاری زبان فارسی تھی۔ آج ہندوستانی مسلمان ان تینوں میں سے ایک زبان بھی نہیں بولتے۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے صوبائی اور علاقائی زبانوں کو اپنالیا۔ پنجابی مسلمان پنجابی بولتے ہیں۔ بنگالی مسلمان بنگلہ، گجراتی مسلمان گجراتی اور مہاراشٹر کے مسلمان مراٹھی بولتے ہیں۔ تامل ناڈو کے مسلمان السلام علیکم کی جگہ سلاڈو کہنے لگے۔

اس باہمی یک جہتی کا یہ اثر پڑا کہ ہندوؤں کے نام بختاور سنگھ، روشن لال، رستم سنگھ اور غازی رام جیسے رکھے جانے لگے اور مسلمانوں نے نام بابولال، شیخ محمد لال، رام دیال، دیوی جی، پریم جی جیسے رکھے جانے لگے۔ بنگال کے مسلمان کسانوں میں کالی، دکھی، تین کوڑی پانچ کوڑی، کہنئ جیسے نام رکھے جانے لگے۔

چٹائی یا دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا اسلام سے پہلے کے پارسیوں کا رواج تھا۔ وہ جیوں کا تیوں مسلمانوں نے اپنا لیا۔ سلام کا رواج بھی میں نے دیکھا اتر پردیش کے ٹھاکروں میں عام ہوگیا۔ چھوٹے جب بھی بڑوں کی تعظیم کریں تو سلام کہہ کریں گے۔ ملنے کے وقت ہاتھ ملانے کا رواج کسی نہ کسی شکل میں قدیم ہندوستان میں موجود تھا۔

جہاں تک عوام کا تعلق ہے جگہ جگہ پیروں کی پوجا شروع ہوئی۔ بنگال میں سیتہ پیر کی پوجا، اتر پردیش میں غازی میاں اور پانچ پیر کی پوجا، اسی طرح پنجاب میں بھی کسی اور پیر کی پوجا۔ چیچک کے لئے شیتلا کی پوجا عام ہوگئی۔ سوندرون میں اولہ بی بی کی پوجا اور بن بی بی کا ہندو اور مسلمانوں میں عام رواج تھا۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ

©https://www.khwajahasannizami.life

اولہ بی بی اور بن بی بی ان دونوں کے پروہت صرف مسلمان ہی ہوتے تھے۔ الہ آباد ضلع میں جوشیتلا کا مندر ہے، اس کے پنڈے پجاریوں میں ہندو مسلمان دونوں ہوتے تھے۔

جہاں تک کھانے پینے کا تعلق ہے حلوہ عربوں کی ایجاد ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ مٹھائی پہلے ہندوستان میں نہیں تھی، لیکن اب جس شکل میں ہندوستان کے ہندو مسلمان حلوہ بناتے ہیں، اس شکل میں عرب یا ترکستان میں نہیں بنتا۔ حلوہ اب بالکل ہندوستانی بن چکا ہے۔ حلوہ سے ہی حلوائی لفظ بنا۔ شروع میں شاید ہندوستان میں لڈوؤں کا ہی رواج ہوگا کیوں کہ اکثر ان کا استعمال دیوتاؤں کے سامنے پیش کرنے میں ہوتا ہے۔ مغل بادشاہوں میں جہانگیر کو طرح طرح کی مٹھائیاں ایجاد کرنے کا شوق تھا۔ کچھ مورخوں کے مطابق قلاقند، برفی، گلاب جامن، امرتی یہ مٹھائیاں جہانگیر کے وقت ہی میں ایجاد ہوئیں۔ ٹامل ناڈو میں میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اِمرتی کو اب بھی جہانگیری کہتے ہیں۔

ایلفنسٹن نے مسلم حکمرانوں کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی حکومتوں میں ہندوؤں کے مندروں اور دھرم شالاؤں کی حفاظت کی جاتی تھی۔ برندابن، گوردھن او رمتھرا کے مندروں کو شاہی خزانے سے مدد دی جاتی تھی۔ متھرا ضلع کے گوردھن میں ہری دیوجی کا مندر ہے۔ یہ ۱۵۰۰ء میں بنا۔ احمد شاہ کے ایک دستخطی فرمان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں کی اُور سے مندر کے خرچ کے لیے روپیہ ملتا تھا۔

اکبر آباد کے اچھنیرا قصبے کے کسانوں اور زمینداروں کے نام احمد شاہ کے فرمان کے لفظ ہیں:

''اس فرمان کے ذریعہ سترہ ۱۷ بیگھا زمین بنالگان مندر کے پجاری شیتل داس بیراگی کے نام دھرمادے میں دی جاتی ہے جس سے وہ دیوتا کے بھوگ اور ٹھاکر جی کا بوجھ برداشت کر سکے۔ اس زمین کی مالگذاری بیراگی جی کے لیے منظور کی جاتی ہے جس سے وہ ٹھاکر جی کے لیے ضروری چیزیں خرید سکیں۔ اچھیزا بازار کے چودھری کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہر ایک گاڑی اناج پر پاؤ سیر ٹھاکر جی کے لیے رکھ لیا جائے اور وہ بیراگی جی کو ضرور ملے۔'' فرمان بتاریخ یکم رمضان ۱۱۳۹ھ ہجری شہنشاہ کی بلند بخت حکومت کا چھٹا سال۔، فرمان ضلع آگرہ اچھنیرا نرسنگھ مندر کے لئے ۱۱۶۷ھ ہجری ۱۷۵۴ء مہر احمد شاہ بادشاہ۔

''خلاصۃ التواریخ'' کے مورخ بٹالہ کے سجان رائے نے تھانیشور کے سالانہ ہندو میلے اور نہان کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے:

جب سکندر لودی نے اس میلے کو بند کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو دربار کے مشہور مورخ اور عالم فاضل میاں عبداللہ اجودھنی نے اس بات کی زوردار مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مندروں کا گروانا اور ندی تالاب کے کنارے پرانے زمانے سے ہونے والے نہان کو بند کرنا قطعی غیر قانونی اور شریعت کے خلاف ہے۔'' سکندر لودی غصے سے لال ہو کر ایک ننگی تلوار

لے کر یہ کہتا ہوا اس کے اوپر جھپٹا کہ ’’تو بت پرستوں کی طرفداری کرتا ہے؟‘‘ اس عالم نے بے خوف یہ جواب دیا۔ ’’میں بادشاہ سلامت کو شریعت کا فتویٰ بتا رہا تھا، اب یہ آپ کی مرضی ہے چاہے مانیں یا نہ مانیں‘‘! بادشاہ کے اوپر اس بات کا بڑا اثر پڑا، اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، اور پھر کبھی اس نے ہندو میلے کے بند کرانے کا ارادہ نہ کیا۔

قاضی مغیث الدین ایک کٹّر قسم کا عالم تھا جب اس نے علاء الدین خلجی کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرے تو علاء الدین خلجی نے جواب دیا: ’’مولانا! تم ایک بہت بڑے عالم ہو۔ مگر دنیا کے تجربے کے لحاظ سے تم صفر ہو۔ میں بالکل پڑھا لکھا نہیں ہوں، پر میں نے دنیا خوب دیکھی ہے۔ میں ایسے حکم جاری کرتا ہوں جسے میں حکومت اور رعایا کے لئے مفید سمجھتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ بات شریعت کے موافق ہے یا خلاف، میں وہی حکم دیتا ہوں جو حکومت کے لیے اچھا اور موقعہ کے مطابق سمجھتا ہوں۔‘‘

سلطان جلال الدین نے ہندوؤں کی طرف اپنے نرم رخ کو سختی میں بدلنے سے صاف انکار کر دیا۔ برنی نے لکھا ہے کہ گدّی پر بیٹھنے سے پہلے ایک ہندو منڈاہر نے جلال الدین خلجی پر وار کر کے اس کو چوٹ پہنچائی، اس نے اس سے کوئی بدلہ نہ لیا اور گدّی پر بیٹھنے کے بعد جلال الدین نے اپنے اوپر حملہ کرنے والے اس ہندو کے لیے ملک خورم وکیل در کے ماتحت ایک لاکھ جیتل وظیفہ (واجب) مقرر کیا۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایک ہندو سردار نے قاضی کی عدالت میں سلطان محمد بن تغلق کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ قاضی نے محمد بن تغلق کو عدالت میں طلب کیا اور مقدمے کی باقاعدہ سنوائی کے بعد ہندو کے حق میں فیصلہ دیا، اور سلطان محمد بن تغلق نے فیصلے کے مطابق مدعی کو مطمئن کیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانی حکومت میں ہندو اپنی شکایتوں کو دور کرا سکتے تھے۔

مغل شہنشاہوں کی حکومت میں ہندو بہت بڑی تعداد میں اونچے اور ذمہ داری کے عہدوں پر تھے۔ شاہجہاں کے وقت میں نور پور میں جگت سنگھ نے ۱۴ ہزار راجپوتوں کی فوج لے کر شاہجہاں کے حکم سے بلخ اور بدخشاں کے ازبکوں کے خلاف بڑی بہادری سے فوج کشی کی۔

گولکنڈا، احمد نگر اور بیجا پور کے سلطانوں نے دریا دلی کے ساتھ سبھی فوجی اور دیوانی محکموں کو ہندوؤں کے لیے کھول دیا۔ شیواجی کے والد شاہ جی احمد نگر اور بیجا پور دونوں ریاستوں میں بہت اونچے فوجی افسر کے عہدے پر تھے۔

سکندر لودی نے حکومت کے اونچے عہدے پر پہنچنے کے لیے ہندوؤں کو خاص طور پر مدد دی اس نے عام دربار میں پوچھا: ’’کیا ایسا کوئی ہندو ہے جو فارسی جانتا ہے؟‘‘ جواب میں ایسا کوئی ہندو نہ ملا تو اس نے برہمن، کھتریوں اور بنیوں کو فارسی پڑھنے کو کہا۔ لیکن سب نے یہ کہہ کر معافی چاہی کہ انھیں اپنے پیشے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ صرف کایستوں نے فوراً فارسی پڑھنا شروع کر دیا۔ کایستوں کی ترقی سے اور لوگوں کو بھی خواہش

© https://www.khwajahasannizami.life

بڑھی۔اس کے بعد سے ہندو کارکنوں کی تعداد بھی بڑھی۔جس کا ثبوت بابر کے وقت میں بھی ملتا ہے۔بابر لکھتا ہے:

''جب میں ہندستان پہنچا تو اس وقت مال کے محکمے کے افسر،سوداگر اور کاریگر سب ہندو تھے۔''

سر جان میلکم نے اپنی رابرٹ کلاؤ کی سوانح عمری میں لکھا ہے:''دیوانی اور مال کے محکموں کا پورا انتظام اور جن پر حکومت کی مشین کا چلنا منحصر ہوتا ہے، قریب سب انھیں لوگوں کے ہاتھوں میں رہے جن کے ہاتھوں میں مسلمانوں کے آنے سے پہلے رہ چکے تھے۔خزانے کا سب سے بڑا حاکم کوئی نہ کوئی ہندو ہوتا تھا جو کبھی وزیر ہوتا تھا اور کبھی نائب۔''

ایک بہت ہوشیار اور حاضر جواب مسلمان بادشاہ سے پوچھا گیا کہ:''آپ اپنے ہم مذہب مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو افسروں اور منیجروں کو کیوں اتنا زیادہ پسند کرتے ہیں؟''اس نے جواب دیا۔''مسلمان چھلنی کی طرح ہوتا ہے، اس میں جو چیز ڈالی جائے فوراً باہر نکل آتی ہے۔ہندو اسپنج کی طرح ہوتا ہے، اس میں جو ڈالا جائے سب جذب ہو جاتا ہے اور ضرورت کے وقت دبانے سے پھر نکل آتا ہے۔''

بنگال کے خود مختار پٹھان سلطان بنگلہ زبان کے بہت بڑے حمایتی تھے۔سلطان حسین شاہ نے سرکاری خرچ پر مہابھارت، رامائن، اپنشد جیسی سنسکرت کی مذہبی کتابوں کا بنگلہ میں ترجمہ کرایا۔بنگلہ ادیبوں کو انعام اور اکرام دیے۔اس زمانے کے بہت بڑے میتھلی اور بنگلہ زبان کے شاعر ودیا پتی نے حسین شاہ کی تعریف میں بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔مسلمان بادشاہوں نے بنگال میں بارہ ۱۲ بڑے جاگیردار مقرر کر دیے تھے جو ہر سال مقررہ خراج دیا کرتے تھے،اور باقی اپنی ریاست کا انتظام کرنے میں وہ بالکل آزاد تھے۔ان بارہ جاگیرداروں میں ایک بیرم بھوم کے جاگیردار کو چھوڑ کر سب ہندو تھے۔

مرشد قلی خاں نے جس زمانے میں وہ بنگال کے اندر اورنگ زیب کا وائسرائے تھا، اپنے مال کے سبب افسر اور وزیر ہندو ہی مقرر کیے۔وہ اپنے ان ہندو صلاح کاروں کی رائے سے ہی کام کرتا تھا۔تیرھیوں صدی عیسوی سے لے کر پلاسی کی لڑائی تک مسلم حکومت میں بنگال کے ہندوؤں کو کبھی بھی یہ محسوس کرنے کا موقعہ نہیں ملا کہ ان کے اوپر کوئی باریسی حکومت ہے۔

جو کیفیت بنگال کی تھی وہی کیفیت مہاراشٹر کی تھی۔بد قسمتی سے انگریزی مورخوں نے چھترپتی شیواجی کے متعلق اپنی غلط بیانیوں کے ذریعہ بہت سی غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں۔شیواجی کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن بتایا گیا۔جب کی سچائی اس کے برعکس ہے۔شیواجی کے دادا مالو جی احمد نگر کے دربار میں ایک نامور فوجی کمانڈر تھے۔شادی کے دس برس گزر جانے کے بعد جب ان کے یہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تب انھیں بے حد فکر ہوئی۔اُس زمانے میں یہ بہت اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا کہ کسی ہندو کے یہاں بیٹا پیدا نہ ہو۔جب کہ ان کے چھوٹے بھائی کے آٹھ آٹھ بیٹے تھے۔اور مولو جی کو کوئی اولاد نہ تھی۔انھوں نے بہت تیرتھ برت کیے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔تو

© https://www.khwajahasannizami.life

کسی نے انھیں صلاح دی کہ احمد نگر کے قلعے کے باہر شاہ شرف کے مزار پر جا کر آپ دعا مانگیں تو آپ کی مراد پوری ہو گی۔ مالوجی نے یہی کیا۔ خدا کے فضل سے سال بھر کے اندر ان کے یہاں بیٹے کا جنم ہوا اور دوسرے سال پھر ایک بیٹے کا جنم ہوا۔ مالوجی کو چوں کہ یہ اولاد شاہ شرف کی دعا سے ملی تھی، اس لیے انھوں نے بڑے بیٹے کا نام شاہ جی رکھا اور چھوٹے بیٹے کا نام شرف جی۔ شیواجی شاہ جی کے بیٹے تھے۔

شیواجی خود کیلسی کے بابا یاقوت سہروردی کے بہت بڑے مرید تھے۔ بابا یاقوت حیدرآباد سندھ سے آکر کیلسی میں مقیم ہوئے۔ بابا کا اعتقاد تھا کہ ایشور اللہ ایک ہے اور کل انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ شیواجی نے انھیں ۶۵۳ را یکڑ زمین بطور جاگیر عطا کی اور وہاں ایک خانقاہ تعمیر کروائی۔ اپنے فرمان میں شیواجی نے لکھا: حضرت بابا یاقوت بہوت تھوروہے ''یعنی بابا یاقوت بہت بڑے سنت اور صوفی ہیں۔'' شیواجی کی موت کے سال بھر بعد بابا یاقوت بھی اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ جب بھی شیواجی کسی لڑائی یا جنگ کے لیے جاتے تو ہمیشہ ان سے مرادیں مانگ کر جاتے۔

ایک دوسرے مسلم سنت مونی بوا تھے۔ ان کے اوپر بھی شیواجی کو بہت اعتقاد تھا۔ وہ پاڑگاؤں میں رہتے تھے۔ کرناٹک کے مورچے پر جانے سے پہلے شیواجی ان کا آشیرواد لے کر گئے۔ شیواجی کا نجی سکریٹری ملاّ حیدر تھا۔ شیواجی کی ساری خفیہ دستاویزیں اسی کے قبضہ میں رہتی تھیں۔ شیواجی کی ساری خط و کتابت اسی کے سپرد تھی۔ شیواجی کی وفات تک اس نے وفاداری کے ساتھ شیواجی کی نوکری کی۔ مگر شیواجی کے بیٹے کی بدسلوکی سے ملاّ حیدر دلّی چلا گیا۔ وہاں مغل دربار نے اسے صدر قاضی کے عہدے پر بٹھایا۔ ایک مسلمان فرّاش مَنداری شیواجی کیساتھ آگرہ گیا۔ اور اسی کی مدد سے شیواجی آگرے کے قلع سے بچ کر نکل سکے۔ شیواجی کے افسروں اور کمانڈروں میں بہت سے مسلمان تھے۔

کچھ مراٹھا مورخوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شیواجی کا مقصد ہندو پد پادشاہی قائم کرنے کا تھا۔ لیکن ''پونا محضر'' جس میں شیواجی کے کاروائیاں درج ہیں، اس میں ۱۶۵۷ء میں شیواجی کے افسروں اور ججوں کی تقرری کا بھی ذکر ہے، شیواجی کی نئی سرکار نے جن قاضیوں کو مقرر کیا ان میں قاضی اور نائب قاضیوں کے نام ہیں۔ جب مسلم رعایا کے مقدمے پیش ہوتے تو شیواجی مسلم قاضیوں کے مشورے سے فیصلہ دیتے۔ شیواجی کے مشہور نیول کمانڈروں میں دولت خاں اور دریا خاں سہرنگ تھے۔ جس وقت وہ لوگ پدم درگ کی حفاظت میں لگے ہوئے تھے اس وقت سدّی کی فوج نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ شیواجی نے اپنے صوبیدار جیواجی وِنایک کو انھیں رسد اور روپے بھیجنے کی ہدایت دی، جسے اس نے وقت پر نہیں بھیجا اس پر شیواجی نے اُسے

برخاستگی اور قید کا حکم دیتے ہوئے لکھا کہ:

''تم سمجھتے ہو کہ تم برہمن ہو، اس لیے میں تمھیں تمھاری اس دغابازی کے لیے معاف کردوں گا؟ تم برہمن ہوتے ہوئے بھی دغاباز نکلے اور تم نے سدّی سے رشوت لے لی لیکن میرے مسلمان نیول کمانڈر کتنے وفادار نکلے کہ اپنی جان پر کھیل کر ایک مسلمان سلطان کے خلاف انھوں نے میرے لیے بہادرانہ لڑائی لڑی۔''

شیواجی کے دل میں عورتوں ، قرآن شریف اور مسجدوں کے لیے بے حد عزّت تھی۔ایک مرتبہ شیواجی کا ایک کمانڈر سورت شہر کو لوٹ کر وہاں کے مغل حاکم کی خوبصورت بیٹی کو قید کر کے لے آیا، اور اسے شیواجی کے دربار میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ: ''مہاراج! میں آپ کے لئے نایاب تحفہ لایا ہوں۔'' اتنا سننا تھا کہ شیواجی کی آنکھوں سے انگارے برسنے لگے۔ انھوں نے اپنے سردار سے کہا: ''تم نے نہ صرف اپنے مذہب کی توہین کی بلکہ اپنے مہاراج کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگایا پھر اس شہزادی کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ''بیٹی! تم کتنی خوبصورت ہو۔کاش ،میری ماں بھی تمھاری طرح خوبصورت ہوتی تو میں بھی ایسا ہی خوبصورت ہوتا۔'' اس کے بعد شیواجی نے بہت سے تحفے دے کر شہزادی کو اس کے والدین کے پاس فوجی ٹکری کی نگرانی میں واپس بھیج کر اس مغل حاکم سے اس غلطی کے لیے معافی کا اظہار کیا۔اس کی فوج کو سخت حکم تھا کہ کسی مسجد کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور کہیں کوئی قرآن شریف ملے تو اسے باعزت میرے پاس لاؤ۔اور اس طرح پائے گئے قرآن شریف کو وہ اکثر مسلمان قاضیوں کو بھینٹ کے طور پر دے دیا کرتے تھے۔

وہ زمانہ ایسا تھا کہ چاہے شیواجی ہو یا اورنگ زیب گولکنڈہ کا سلطان ہو یا بیجاپور کا، ان میں لگاتار لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔دکن کی جنگ میں اورنگ زیب نے اپنی عمر کے آخری بیس برس صرف کردیے، اور ناکامیابی کا سہرا لے کر دکن میں ہی اس کی موت ہوئی۔اس کے بڑے سپہ سالاروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔اُسے اپنے بیٹوں سے بھی بہت خوف تھا۔وہ سمجھتا تھا کہ جو سلوک اس نے اپنے والد شاہجہاں کے ساتھ کیا وہی وہ اس کے ساتھ کریں گے۔شیواجی کے پوتے ساہو کو اورنگ زیب نے آگرے کے اپنے محل میں قید کر رکھا تھا۔لیکن اس نے پوری طرح اُس معصوم کی مذہبی تعلیم کا خیال رکھا۔ ہندو پنڈتوں کو بلا کر اسے مذہبی شاستروں کی تعلیم دی گئی اپنے باپ سمبھاجی کے مرنے کے بعد ساہو شیواجی کی سلطنت کا وارث ہوا۔اورنگ زیب کے احسانوں اور محبت کے احساس سے غمزدہ وہ اورنگ زیب کے جنازہ کے ساتھ خلدآباد تک گیا۔قبر میں مٹی ڈالتے وقت اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

لگاتار جنگوں کی وجہ سے شاہی خزانے خالی ہو جاتے

تب فوج کو اجازت ہوتی کہ سلطنت کی سرحد سے باہر وہ سیٹھوں، ساہوکاروں کو لوٹ کر اپنی تنخواہ وصول کرلیں۔ شیواجی نے بھی اس طرح کی تقسیم ملکی اور غیر ملکی رعایا میں کی تھی۔ غیر ملکی لوگوں کی لوٹ میں یہ فرق نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان، لیکن سلطنت کے اندر ہندو اور مسلمان دونوں محفوظ تھے۔

جس طرح شیواجی کے متعلق انگریز مورخوں نے غلط فہمیاں پیدا کی ہیں اسی طرح اورنگ زیب کے متعلق بھی۔ ایک اردو شاعر نے بڑے سوز کے ساتھ لکھا ہے:

تمھیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالم گیر ہندوکش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

بچپن میں میں نے بھی اسکول کالجوں میں اسی طرح کی تاریخ پڑھی تھی اور میرے دل میں بھی اس طرح کی بدگمانی تھی۔ لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے میری رائے قطعی بدل دی۔ میں تب الہ آباد میونسپلٹی کا چیرمین تھا۔ تربنی سنگم کے قریب سومیشور ناتھ مہادیو کا مندر ہے اس کے پجاری کی موت کے بعد مندر اور مندر کی جائیداد کے دو دعوے دار کھڑے ہوگئے۔ دونوں نے میونسپلٹی میں اپنے نام داخل خارج کی درخواست دی۔ ان میں سے ایک فریق نے کچھ دستاویزیں بھی داخل کی تھیں۔ دوسرے فریق کے پاس کوئی دستاویز نہ تھی۔ جب میں نے دستاویز پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا وہ اورنگ زیب کا فرمان تھا۔ اس میں مندر کے پجاری کو ٹھاکر جی کے بھوگ اور پوجا کے لیے جاگیر میں دو گاؤں عطا کیے گئے تھے۔ مجھے شبہہ ہوا کہ یہ دستاویز نقلی ہیں۔ اورنگ زیب تو بُت شکن تھا۔ وہ بت پرستی کے ساتھ کیسے اپنے کو وابستہ کرسکتا تھا؟ میں اپنا شک رفع کرنے کے لیے سیدھا اپنے چمبر سے اُٹھ کر سر تیج بہادر سپرو کے یہاں گیا۔ سپرو صاحب فارسی کے عالم تھے۔ انھوں نے فرمان کو پڑھ کر کہا یہ فرمان اصلی ہیں۔ میں نے کہا ''ڈاکٹر صاحب''! عالم گیر تو مندر توڑتا تھا۔ بُت شکن تھا، وہ ٹھاکر جی کے بھوگ اور پوجا کے لیے کیسے جائداد دے سکتا تھا؟''

سپرو صاحب نے اپنے منشی کو آواز دے کر کہا: ''منشی جی! ذرا بنارس کے جنگم باڑی شیومندر کی اپیل کی مثل تو لاؤ۔'' منشی جی مثل لے کر آئے تو ڈاکٹر سپرو نے دکھایا کہ اس میں اورنگ زیب کے چار فرمان اور تھے جن میں جنگموں کو معافی کی زمین عطا کی گئی تھی۔

ڈاکٹر سپرو ہندوستانی کلچر سوسائٹی کے صدر تھے جس کے عہدہ داروں۔ میں ڈاکٹر بھگوان داس، سید سلیمان ندوی، پنڈت سندر لال اور ڈاکٹر تاراچند تھے۔ میں بھی اس کا ایک ممبر تھا۔ ڈاکٹر سپرو کی صلاح سے میں نے ہندوستان کے خاص خاص مندروں کی فہرست مہیا کی، اور ان سب کے نام یہ خط لکھا کہ اگر آپ کے مندروں کو اورنگ زیب یا مغل بادشاہوں نے کوئی جاگیر عطا فرمائی ہو (خصوصاً اورنگ

زیب) تو ان کی فوٹو کاپیاں مہربانی کر کے بھیجیں۔ وہ تین مہینے کے انتظار کے بعد ہمیں مہا کال مندر اُجین، بالاجی مندر چترکوٹ، کاما کھیہ مندر گوہاٹی، جین مندر گرنار اور دلواڑا مندر آبو، گرودوار رام رائے دہرادون وغیرہ سے اطلاع ملی کہ اُن کو جاگیریں اورنگ زیب نے عطا کی تھیں۔ مورخوں کی تاریخ کے مطابق ایک نیا اورنگ زیب ہماری آنکھوں کے سامنے اُبھر کر آیا۔

اورنگ زیب نے ان مندروں کو جاگیریں عطا کرتے ہوئے یہ ہدایت دی تھی کہ ٹھاکر جی سے وہ اس بات کی دعا مانگیں کہ اس کے خاندان میں تاقیامت حکومت بنی رہے۔

اسی طرح ٹیپو سلطان کے متعلق بھی نئی روشنی ملی۔ ۱۹۴۸ء میں ٹیپو رسلطان کے سلسلے میں الہ آباد میں کچھ تاریخی چھان بین کر رہا تھا۔ ایک دن دوپہر کو اینگلو بنگالی کالج کے کچھ طلباء آئے اور انھوں نے یہ درخواست کی کہ میں ان کے ہسٹری ایسوسی ایشن کا افتتاح کر دوں۔ چوں کہ وہ کالج سے سیدھے آئے تھے تو اُن کے ساتھ ان کی کتابیں بھی تھیں۔ میں ان کتابوں میں سے ہندوستان کی تاریخ کے ورق الٹنے لگا۔ جب میں ٹیپو سلطان کے سبق پر پہنچا تو اس میں دیکھا درج تھا۔ ”تین ہزار برہمنوں نے اس لیے خودکشی کر لی تھی کہ ٹیپو سلطان انھیں زبردستی مسلمان بنانا چاہتا تھا۔“ میں نے مورخ کا نام دیکھا تو لکھا تھا کہ مہامہوپادھیائے ڈاکٹر ہرپرشاد شاستری، کلکتہ یونیورسٹی کے سنسکرت ڈپارٹمنٹ کے صدر۔

دوسرے دن ہی میں نے انھیں خط لکھا اور ان سے التجا کہ کہ مہربانی فرما کر مجھے یہ اطلاع دیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کہاں سے لیا۔ چار بار یاددہانی کے بعد انھوں نے مجھے اطلاع دی کہ یہ واقعہ انھوں نے میسور گزیٹیر سے لیا ہے۔

میسور گزیٹیر کی کوئی جلد نہ الہ آباد میں ملی نہ کلکتے میں۔ میں نے ڈاکٹر سپرو کے مشورے سے اُس کے متعلق میسور کے دیوان سر مرزا اسمٰعیل کو خط لکھا۔ سر مرزا اسمٰعیل نے میرا خط یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر برجیندر ناتھ سیل کے پاس بھیج دیا۔ سیل صاحب نے مجھے اطلاع دی کہ میرا وہ خط انھوں نے پروفیسر سری کانتیہ کے پاس بھیجا ہے جو اس وقت میسور گزیٹیر کو ایڈٹ کر رہے ہیں۔ ایک ہفتے کے بعد پروفیسر سری کانتیہ نے مجھے اطلاع دی کہ میسور گزیٹیر میں یہ واقعہ کہیں نہیں ہے۔ تاریخ کی وہ کتاب اتر پردیش، بہار، اڑیسہ بنگال میں آسام کے ہائی اسکول کی ٹکسٹ بک تھی۔ لاکھوں معصوم لڑکے ہر سال اس کتاب، کو پڑھتے ہیں، اس واقعہ کا ان کے دل پر کیا اثر ہوتا ہوگا؟

میں نے پروفیسر سری کانتیہ کو لکھا کہ وہ مہربانی فرما کر مجھے اطلاع فرمائیں کہ ٹیپو سلطان میں کیا تعصب تھا؟ مجھے پھر اطلاع دی گئی کہ ٹیپو سلطان کا سپہ سالار کرشنا راؤ برہمن تھا اور اس کا وزیر اعظم پرنیہ بھی برہمن۔ پروفیسر کانتیہ نے ۱۵۶ مندروں کی فہرست بھیجی جنھیں ٹیپو رسلطان ہر سال تحفے اور چڑھاوا بھیجا کرتا تھا۔ خود ٹیپو سلطان کے قلعے کے اندر سری

رنگناتھ کا مندر تھا۔ جہاں حسب معمول روز صبح ناشتے سے پہلے ٹیپو سلطان رنگناتھ سوامی کے درشن کرتا تھا۔ (نوٹ: جب تک کوئی معاصر شہادت نہ ہو درشن کا یہ جملہ بے اثر سمجھا جائے اور بہتر ہے کہ یوں پڑھا جائے۔ مندر کی دیکھ ریکھ کے لئے جاتا تھا۔ ادارہ) مجھے سری نگری مٹھ کے جگت گرو شنکر آچاریہ کے ٹیپو سلطان کے نام لکھے ہوئے ایک درجن کنڑ زبان کے خطوط کی کاپی فوٹی بھیجی گئی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ شنکر آچاریہ اور ٹیپو سلطان میں بے حد محبت تھی۔ اپنے زمانے کے ہندوستان کے راجاؤں اور نوبوں میں ٹیپو سلطان اور اس کے والد ہی ایسے شخص تھے جنھوں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر کسی کو دھوکہ نہیں دیا۔ ٹیپو سلطان کے ساتھ انگریزوں کی کئی بار جنگ ہوئی اور آخر میں ایک بہادر وطن پرست کی طرح لڑتے ہوئے اس نے شہادت حاصل کی۔ نامعلوم لاشوں کے ڈھیر سے جب اسے کھوج کر نکالا گیا تو انگریز جنرل نے دیکھا کہ اس نے تلوار کے مٹھ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

میں نے یہ تمام خط و کتاب کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو بھیجی اور ان سے درخواست کی کہ اگر وہ اس خط و کتابت سے مطمئن ہیں کہ شاستری کی کتاب میں دیا ہوا واقعہ غلط ہے تو اس پر کاروائی کریں، ورنہ یہ خط و کتابت مجھے واپس کر دیں۔ بہت جلد نہ صرف وائس چانسلر کا جواب آیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کا حکم نامہ بھی آیا کہ شاستری کی تاریخ کی کتاب ہائی اسکول سے خارج کی جاتی ہے۔

اسی طرح رانا پرتاپ اور اکبر کی ہلدی گھاٹی کی جنگ کو ہمارے ملک کی ایک جماعت مذہبیت کا رنگ دیتی ہے۔ مگر کیفیت یہ ہے کہ اکبر کی فوج کے سالار راجہ مان سنگھ تھے۔ اکبری فوج کے زیادہ تر سپاہی راجپوت تھے۔ دوسری طرف رانا پرتاپ کی فوج کے سالار رانا کے علاوہ حکیم خاں سور تھے۔ جالور کے تاج خاں بھی ایک ہزار پٹھان فوج کے ساتھ مہارانا پرتاپ کا ساتھ دینے کے لیے پہنچ گئے تھے۔ پٹھانوں نے مغلوں کے چھکے چھڑا دیے۔ ہلدی گھاٹی کی لڑائی کسی طرح بھی نہ فرقہ واریت کی لڑائی تھی نہ مذہبی۔

اسی طرح سکھوں کے گرو گوبند سنگھ کے سیکڑوں مسلمان مددگار تھے۔ نبی خاں، غنی خاں اور جنرل سید بیگ نے بڑے نازک موقعوں پر گرو گوبند سنگھ کی مدد کی۔ سیکڑوں مسلمان سپاہی گرو گوبند سنگھ کی فوج میں بھرتی ہوئے اور بہادری سے لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی۔

بدرالدین جنھیں، پیر بودھ شاہ بھی کہتے ہیں، گرو کے لئے اپنے چار بچوں اور بھائیوں اور ایک ہزار پٹھان فوجیوں کیساتھ میدان جنگ میں شہید ہو گئے۔

ہندوستان کے منجھلے زمانے میں بڑے بڑے صوفیوں اور سنتوں کا سلسلہ ملتا ہے۔ کبیر، دادو، تکارام، نانک، چیتنیہ، معین الدین چشتیؒ، بابا فریدؒ، میرابائی، نظام الدین اولیاءؒ، سنت روی داس، بلھے شاہ سب اس سلسلے کے مشہور سنت اور صوفی ہیں۔ ان لوگوں کا کلام، ان کی بانی پڑھ کر آدمی صرف اونچے اصولوں کو نہیں جان جاتا۔ بلکہ سچّی اور نیک زندگی کی طرف، روحانیت کی طرف، اس کی توجہ ہوتی

ہے۔ ان سنتوں کے کلام میں یک جہتی کا خیال کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ کبیر کہتے ہیں:

بھائی رے دوی جگدیش کہاں تے آیا، کہو کونے بھرمایا
اللہ، رام، کریما، کیسو، ہری، حضرت نام دھرایا
وہی مہادیو، وہی محمد ﷺ برہمہ آدم کہیئے
کو ہندو کو ترک کہاوے ایک زمین پر رہیئے
پورب دسا ہری کو باسا پچھم اللہ مقاما
دل ہی کھوج دل ہی ما کھوجو یہے کریما راما

سنت پلٹو داس نے اسی خیال کو ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے:

پورب میں رام ہے پچھّم خدائے ہے
تو اتر اور دکھن کہو کون رہتا
صاحب وہ کہاں ہے، کہاں پھر نہیں ہے
ہندو اور مسلمان طومسان کرتا

سنت دادو کہتے ہیں:

''دونوں بھائی نین ہیں دونوں بھائی کان
سب گھٹ ایکئی آتما کیا ہندو مسلمان''

ان صوفی سنتوں کے اپدیش کا عوام کے اوپر گہرا اثر پڑا۔

ایک فقیر بٹالے میں رہتے تھے، ان کا نام تھا۔ صبغت اللہ۔ کچھ عرصے کے بعد انھوں نے اپنے ماتھے پر تلک گلے میں جنیئو ڈالا اور پنڈت کا رہن سہن اپنایا اور اپنا نام بھی رنگی رام رکھا۔ ایک دن ایک دوسرا مسلمان فقیران سے ملنے بٹالے آیا اور رنگی رام کو دیکھ کر پوچھا: ''یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ انھوں نے کہا صبغت کے معنی ہیں رنگ اور اللہ کی جگہ رام۔''

یہ سن کر فقیر نے کہا کہ: ''تم نے اسلام اور ہندو مذہب میں کیا فرق دیکھا کہ جو ایک سے نکل کر دوسرے میں جا پہنچے، اگر نکلنا تھا تو دونوں ہی سے نکلتے، ہم تو سمجھتے تھے کہ تم موحد ہو، تم تو ابھی ہندو مسلمان کے پھیرے میں پڑے ہو۔''

صوفیوں کے نزدیک مولانا رومؒ کی مثنوی کی بڑی قدر تھی۔ خاص طور پر گڈریے کی حکایت کہ جب وہ اسے پڑھتے تو لوگوں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ مینھ کی طرح آنسو برسنے لگتے۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی
ہندیاں را اصلاح دیگراند،
سندھیاں را اصطلاح دیگراند
موسیا آداب داناں دیگراند،
سوختہ جان وروانان دیگراند
مذہب عشق از ہمہ ملت جدا است
عاشقاں را مذہب وملت خدا است

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے: ''لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات کرو۔'' اسی سلسلے میں مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی میں یہ ایک بڑی دلچسپ کہانی آتی ہے۔ لکھا ہے کہ:

''حضرت موسیٰؑ ایک دن کسی پہاڑ پر سے اتر رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک گڈریا نیچے کو منھ کیے پڑا ہے۔ گڈریے کا کمبل، اس کی چپل اور اس کی لکڑی برابر میں پڑی ہے۔ گڈریا پڑے پڑے کچھ بڑبڑا رہا ہے۔ موسیٰؑ دبے پاؤں

© https://www.khwajahasannizami.life

گڈریے کے پیچھے جا کر کھڑے ہو کر سننے لگے۔ گڈریا کہہ رہا تھا: ''اے میرے اللہ تو کہاں ہے؟ تو مجھے کیوں نہیں ملتا؟ تو اگر مجھے مل جائے اور اگر تیرے پاؤں تھکے ہوں تو میں تیری خوب مٹھی چاپی کروں، جس سے تیری تھکان دور ہو جائے۔ اگر تیری چپّل پھٹ گئی ہو تو میں اپنے ہاتھ سے تیری چپل گانٹھ دوں، تیرے کمبل میں چیلر پڑ گئے ہوں گے، میں ایک ایک چیلر بین کر پھینک دوں۔ رات کو میں تیرے لیے ایسا اچھا بستر بچھا دوں جس میں ایک سلوٹ نہ ہو۔ اس پر جنگل سے پھول لا کر ڈال دوں۔ صبح میں تازہ شہد کا پیالہ لا کر تجھے پلاؤں۔ اے میرے اللہ! تو کہاں ہے؟ تو مجھے کیوں نہیں ملتا؟''

گڈریا اپنے پریتم اللہ کے پریم میں ٹپاٹپ آنسو بہا رہا تھا۔ حضرت موسیٰؑ گڈریے کے سامنے آ کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے گڈریے سے پوچھا: ''تو کس سے باتیں کر رہا تھا؟ گڈریے نے جواب دیا: ''موسیٰؑ! میں اُس اللہ سے باتیں کر رہا تھا جس نے تجھے اور مجھے دونوں کو پیدا کیا۔''

موسیٰؑ نے پھر کہا: ''اے گڈریے! اللہ کی شان میں ایسی باتیں کہنا بہت بڑا کفر ہے اور گناہ ہے۔''

گڈریے نے پھر پوچھا: ''موسیٰؑ کیا مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا؟''

موسیٰؑ: ''تجھ سے اتنا بڑا گناہ ہو گیا ہے جس کا کوئی کفّارہ نہیں۔''

گڈریا: ''سچ مچ میرے گناہ کا کوئی کفّارہ نہیں!'' غم اور ناامیدی سے بھرا ہوا گڈریا اٹھا۔ اس نے اپنا کمبل کندھے پر ڈالا، لکڑی ہاتھ میں لی اور بھیڑیں پیچھے چھوڑ کر بیابان جنگل کی طرف نکل گیا۔

گڈریا جب نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو موسیٰؑ بڑے فخر کے ساتھ پیچھے مڑے۔ اسی وقت آسمان سے آواز آئی۔ اللہ نے موسیٰؑ سے کہا: ''اے موسیٰؑ! یہ تو نے کیا کیا؟ تو نے ہمارے پریمی کو ہم سے الگ کر دیا؟ تجھے ہم نے دنیا میں ملانے کے لیے بھیجا تھا الگ کرنے کے لیے نہیں۔''

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

تو سمجھتا ہے کہ تو ہماری ذات اور صفات کے متعلق اُس گڈریے سے زیادہ واقف ہے؟ تیرا یہ سمجھنا غلط ہے۔ ہم تک پہنچنے کا راستہ دل ہے دماغ نہیں۔ ہم نے الگ الگ لوگوں کے لیے الگ الگ طریقہ بنا رکھا ہے:

ہندیاں را اصطلاح دیگر اند
سندھیاں را اصطلاح دیگر اند

اے موسیٰؑ عقل والوں کے آداب اور ہوتے ہیں اور وہ سچّے عاشق، جن کے اندر عشق کی آگ لگی ہوتی ہے دوسرے ہوتے ہیں:

موسیا آداب داناں دیگر اند
سوختہ جاں ورواناں دیگر اند

موسیٰؑ! عشق کا مذہب سب دینوں سے الگ ہے۔

© https://www.khwajahasannizami.life

جو سچّے عاشق ہیں ان کے لیے مذہب اور ملت سب ہم ہیں:

مذہب عشق از ہمہ ملت جداست

عاشقاں را مذہب وملت خداست

موسیٰ نے گھبرا کر پوچھا: ’’اے اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی، اب میں کیا کروں؟‘‘

اللہ نے جواب دیا: ’’اے موسیٰ جا اس گڈریے، کو ڈھونڈ اور اسے یہ خوشخبری دے کہ وہ ٹھیک تھا اور تو غلط۔ اس کے لیے اللہ کی طرف سے سب معاف ہے۔‘‘

حضرت موسیٰ اس گڈریے کی کھوج میں نکل پڑے برسوں کے بعد وہ انھیں کہیں جنگل میں اکیلا کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ موسیٰ نے گڈریے کو خوشخبری دی کہ تو ٹھیک تھا اور میں غلط۔ تیرے لیے سب معاف ہے۔

گڈریے نے اب مسکرا کر جواب دیا: اے موسیٰ! اب تم کس سے بات کر رہے ہو؟ اب میں آپ پہلی جگہ سے ہزاروں سال کا فاصلہ طے کر چکا ہوں۔ اب تو میں اپنی خودی کو مار کر اس خودی کے خون سے لتھڑا پڑا ہوں‘‘

’’من ہزاراں سال زاں سوگشتہ ام

من کنون در خون دل آغشتہ ام

یک جہتی کی روایت کے سلسلے میں میں زبان کے مسئلے پر بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ زبان اردو جب دکن سے چل کر دلّی آتی ہے تو مغلیہ سلطنت کمال کے عروج تک پہنچ کر بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اتر رہی تھی۔ بھائیوں کے درمیان تخت وتاج کی خاطر خانہ جنگی اور ایرانی، تورانی امیروں کی کھینچ تان سلطنت کی بنیادوں کو ہلا رہی تھی۔ مراٹھے اور افغانی ایسے دھکّے دے رہے تھے کہ دیواریں اور چھتیں گرنے لگیں تھیں عجیب سماں تھا۔ اکبر اور شاہجہاں کے نام لیوا لال قلعے کے محل میں دنیا اور مافیہا سے بے خبر رنگر لیوں میں مصروف تھے۔ طبلوں کی تھاپ، گھنگروؤں کی جھنکار اور شراب کے پیالے چل رہے تھے۔ ادھر سلطنت کے حصے بخرے ہو رہے تھے۔ صوبے خود مختار، صوبیدار ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ مراٹھے، راجپورت، جاٹ اور سکھ ایک دوسرے سے جوجھ رہے تھے۔ سلطنت کے لاشے پر پُرتگیز، ولندیزی، فرانسیسی اور انگریز گدھوں کی طرح منڈلا رہے تھے راجاؤں اور نوابوں کی عیش پرستی سیکڑوں شریف خاندانوں کی تباہی جنتا کی بربادی اور ملک کی غارتگیری نے لوگوں کو مایوس کر دیا تھا۔ اس فضا میں دکن سے اردو آتی ہے۔ اور شاہی دربار سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ یہاں فارسی ماحول تھا۔ دربار کی زبان فارسی، دفتر کی زبان فارسی، عہدیداروں کی زبان فارسی، علما کی زبان فارسی، اردو فارسی رنگ میں ڈوب گئی۔ دکن میں جو اردو ادب تیار ہوا تھا اس میں ٹھیٹھ ہندی نمایاں تھی۔ دلّی کے ایرانی نسل کے امیروں اور فارسی زبان کے ماہروں کے کانوں پر ہندی لفظ بھاری معلوم ہوئے۔ متروکات کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ مظہر جان جاناں نے پہل کی، آتش اور ناسخ نے تحریک کو تیز کیا، اردو ہندی سے دور ہونے لگی۔ دکن مین جسے

© https://www.rahmatnizami.life

دکھنی اور ہندی کہتے تھے دلّی میں زبانِ اردوے معلیٰ کے نام سے مشہور ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کی آندھی کے بعد انگریزوں نے اردو کو مسلمانی زبان بنادیا اور ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کو مسلمانوں کے سرتھوپا۔ مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی کاروائیاں جاری ہوئیں۔ بہار کے انگریز گورنر نے شہر کا دورہ کیا۔ اور اردو کے خلاف دھواں دھار لیکچر دیے۔ انگریز عالموں نے ہندوستانی زبانوں کی گرامر لکھی، اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اردو کسی علاقے کی زبان نہیں۔ ملکی بھاشا تو برج بھاشا، راجستھانی، اودھی وغیرہ ہے۔ انگریزی سیاست کا جادو چل گیا۔ اردو مسلمان کی زبان اور ہندی ہندوؤں کی زبان قرار پائی۔

۱۸۷۲ء کے بعد سے انگریزوں کی سیاست بدلی۔ مسلمانوں کو سرکار کی چہیتی بیوی اور ہندوؤں کو سوکن کا درجہ ملا۔ ۱۸۹۲ء میں اترپردیش میں میکڈونل کی گورنری کے زمانے میں ہندی اردو کا جھگڑا بڑھا۔ فرقہ وارانہ جذبات کی زہریلی ہوائیں چلنے لگیں۔ ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔“

اب ہمارے بنیادی دستور یا سمبیدھان نے حکم فیصل دے دیا ہے، ہندی کو سرکاری زبان کے مرتبے پر پہنچا دیا ہے، اردو کو ملکی زبان کی فہرست میں شامل کرلیا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ تعصب سے دور ہٹ کر حقیقت کو سامنے رکھا جائے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اردو اور ہندی دراصل دو جدا جدا زبانیں نہیں ہیں۔ علم لسانیات کی کسوٹی پر پرکھیے تو کوئی اصولی فرق نہیں آیا۔ زبان کی ہستی تین چیزوں پر قائم ہے۔ آواز یا دھن، روپ اور لفظ، اردو اور ہندی لفظوں کی ترکیب ایک طرح کی آواز سے ہوئی ہے۔ دونوں کی گرامر ایک ہے۔ دونوں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ دونوں آریائی زبان ہیں۔ لفظوں کے استعمال میں ہمیشہ ہیر پھیر ہوتا ہے۔ فردوسی کے شاہ نامے کی زبان کا خاقانی کے قصیدوں کی زبان سے مقابلہ کیجئے، زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ یہی کیفیت نثر کی ہے۔ مائیکل مدھوسودن دت کی بنگلہ پر سنسکرت چھائی ہوئی ہے رابندرناتھ ٹیگور کی زبان جنتالی بول چال کی زبان ہے۔ اور نذرالاسلام کی شاعری پر فارسی کا سایہ ہے۔

ہندی اردو کا بھی یہی حال ہے ناگری پرچارنی سبھا بنارس کی ہندی ڈکشنری میں چھ ہزار فارسی عربی کے لفظ ہیں۔ لغات آصفیہ میں ۷۵ فیصدی سے زیادہ وہ اردو کی پیدائش دونوں کی ایک جگہ ہوئی، اور دونوں ایک ماں کی بیٹیاں ہیں۔ ہاں، اب دونوں کی الگ الگ مستقل اور ادبی حیثیت ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اردو اجنبی زبان ہے، جس کا ملک میں کوئی ٹھکانہ نہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ اردو کھڑی بولی کا ادبی روپ ہے اور کھڑی بولی اُس علاقے کی زبان ہے۔ جس کا مرکز دلّی ہے۔

یہ کہنا کہ اردو کا کوئی مسکن نہیں اور یہ کہ وہ کسی علاقہ کی زبان نہیں ہے، ایک کھلی ہوئی حقیقت سے انکار کرنا ہے۔ جو بچے اس علاقے میں رہتے ہیں۔ جہاں کھڑی بولی رائج ہے اور وہ بچے جن کے گھر میں کھڑی بولی بولی جاتی، قانونی حق

© https://www.khwajahasannizami.life

رکھتے ہیں کہ اپنی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم حاصل کریں اوراس حق سے انکار دیش کے بنیادی قانون کی توہین ہے۔

اُردو کے ساتھ ہندی کا ایسا برتاؤ ہندوستان کی دوسری صوبائی زبانوں کو چوکنّا کر دیتا ہے۔ یہ لازم ہے کہ اُردو کی جو مستقل حیثیت ہے ہندوستان کے دستور میں ہے اس کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے اسے جو حق پہنچتا ہے وہ اُسے ملنا چاہئے۔

اردو کو مسلمانوں کے ساتھ نسبت دی جاتی ہے۔اس خیال کا بیج انگریزوں نے بویا۔مسلم لیگ نے اس پودے کو سینچا اور پروان چڑھایا۔عربی کو اگر اسلامی زبان کہیں تو بجا سمجھا جائے گا۔حالانکہ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔اسلام کے ظہور سے پہلے غیر مسلم عربوں کی زبان عربی تھی۔ لاکھوں عیسائی جو لبنان، سیریا، مصر وغیرہ ملکوں میں رہتے ہیں، عربی زبان بولتے ہیں۔عربی میں بائبل پڑھتے ہیں۔ دنیا میں کون سی زبان ہے جو مسلمانوں کی مادری زبان نہیں؟ چین کے کروڑوں مسلمان چینی، انڈونیشیا کے مَلے ، بنگال کے بنگلہ، مدراس کے تامل، کیرل کے ملیالی، گجرات کے گجراتی اورمہاراشٹر کے مراٹھی زبان بولتے ہیں۔عربی بولنے والے مسلمان تو دنیا میں شائد دس فیصدی سے زیادہ نہیں ملیں گے۔ اردو تو اسی زمین کی پیداوار ہے جسے گنگا جمنا کی ندیاں سیراب کرتی ہیں یہ صحیح ہے کہ مسلمان صوفیوں، درویشوں نے اور شاعروں نے اردو کا سنگار کیا،لیکن سیکڑوں ہندو ادیبوں نے بھی اُردو کو سنوارنے میں حصہ لیا۔اگر اردو میں اسلامی مذہب اور کلچر پر کتاب لکھی گئی تو آپ کو ہندو مذہب اور کلچر کی بھی اردو میں کافی کتابیں ملیں گی۔ اوپنیشد، بھگوت گیتا، بھاگوت پُران، کالی داس کے ناٹک ، بیتال پچیسی، سنگھاسن بتیسی، پدماوت، قصے کہانیاں، لیلا وتی، حساب، نجوم، ویدک غرض مشکل سے کوئی ہندو مذہب اور ادب کا شعبہ ہوگا جس میں اردو کی کتابیں نہ ہوں۔

اردو تو اصل میں ہندوستان کی زبان ہے۔اس کا ماضی اور حال ہندوستان کے میل جول کی کہانی ہے۔اس میں ہندو مسلمان سنتوں نے اپدیش دیا ہے سادھو درویشوں نے ایشور پریم کا سندیش دیا ہے۔شاعروں نے اس میں وطن کے شہیدوں کے لیے آنسو گرائے۔دیش بھگتوں کے دلوں کو ہلانے والے گیت گائے۔انسان کے دل کی گہرائی کی کھوج کی اوراس کی اڑان کا اندازہ لگایا۔حسن اور عشق کی تصویریں کھینچیں، محبت کے راگ الاپے،کبھی ہنسایا کبھی رلایا۔وہ کس طرح ہم سے جدا ہو سکتی ہے؟اس کا مستقبل ہندوستان سے وابستہ ہے۔ پاکستانی صوبوں کی بول چال کی زبان پنجاب میں پنجابی سندھ میں سندھی، بلوچستان میں بلوچی، صوبہ سرحد میں پشتو ہے وہاں کہیں بھی بول چال کی زبان اردو نہیں ، بے شک اتر پردیش اور بہار سے جو لوگ وہاں گئے ہیں ان کی زبان اردو ہے۔اردو ہندوستان کی بیٹی ہے یہیں یہ پیدا ہوئی۔اس کی رگوں میں سنسکریت اور پراکرت کا خون بہتا ہے۔یہ یہیں پھولی پھلی۔اس کے بدن میں لوچ ہے۔چال

میں اٹھلاہٹ ہے۔ اسے دیکھ کر لوگ جھومتے ہیں۔ مشاعروں میں سننے والے اس کے بول سن کر مست ہو جاتے ہیں۔ سر دھنتے ہیں۔ اس کے سامنے ایک سندر روشن اور بے پایاں میدان ہے۔ ہندوستان کی پندرہ زبانوں میں یہ اکیلی وہ زبان ہے جو ہندو مسلمانوں کی یک جہتی کی روایت کی ترجمانی کرتی ہے۔ جو صحیح معنوں میں رواداری کے بنیادی اصولوں پر قائم ہے۔ اسے ملک کی خدمت کرنی ہے، دل کو دل سے ملانا ہے۔ شک وشبہ کے بدنما داغوں کو دھونا ہے۔ ہمارے قانون میں جس آزادی، برابری اور برادری کا دعویٰ ہے اسے قوم کی زندگی میں ثابت کرنا ہے۔

بعض لوگوں کی یہ بھی تجویز ہے کہ اگر اردو کی کتابیں اردو رسم الخط کے علاوہ ناگری لپی میں بھی چھاپی جائیں گی۔ تو پڑھنے والوں کا دائرہ بہت بڑا ہو جائے گا اور اردو کو ہر دلعزیز بنانے میں بڑی مدد ملے گی۔

میں نے خود ڈاکٹر تاراچند اور پنڈت سندر لال کے ساتھ مل کر الہ آباد سے ''نیا ہند'' ماہنامہ رسالے کی ایڈیٹنگ کی ذمہ داری لی تھی۔ اس میں ایک ہی زبان میں ناگری اور اردو رسم الخط میں سارے مضامین برابر کے کالموں میں چھپا کرتے تھے۔ میرے پاس ہندوستان کے مختلف صوبوں سے اس طرح کے خطوط آتے تھے کہ ''نیا ہند'' سے انھیں اُردو سیکھنے میں بڑی مدد ملی۔ اسی خیال سے اپنے اسی اصول کی وجہ سے میں نے تقریر کے اس مضمون کو بھی ایک ہی زبان لیکن دو رسم الخط میں پیش کیا ہے۔ اسے اگر اردو زبان سے ناواقف آدمی بھی پڑھے گا تو اسے فیض پہنچے گا۔ ہندی اور اردو کی قربت سے یک جہتی کو بلاشک مدد ملے گا۔

یہ صحیح ہے کہ ملک میں زبان کے مسئلے کو لے کر، علاقائی سوالوں کو لے کر، ذات پات اور فرقہ واریت کو لے کر، ملک کے مختلف حصّوں میں فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ان فسادات کے بیچ سے یک جہتی کی صورت نکل آتی ہے۔ جیسا ناگالینڈ، پنجاب اور دلّی میں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سرزمین کو صوفیوں اور سنتوں نے اپنے یک جہتی کے پیغام سے انسانیت کی فصل کے لیے زرخیز بنایا۔ ایک چھوٹے سے واقعہ کا ذکر کر کے میں اپنے اس مضمون کو ختم کرنا چاہوں گا:

اکتوبر ۱۹۶۹ء میں تمام ملک میں گاندھی جی کی پیدائش کا سوسالہ جشن منایا گیا۔ لیکن ہمارے ملک کی ایک فرقہ پرست جماعت نے اس موقع کو فرقہ وارانہ فساد کے لیے چنا اور وہ بھی احمد آباد کے شہر کو، جہاں گاندھی جی نے ۱۹۱۵ء میں اپنی قومی خدمات کی ابتدا کی تھی۔ اس وقت وہاں جس صوبائی پارٹی کی سرکار برسراقتدار تھی وہ مرکزی سرکار کے اثر سے باہر تھی۔ دنگائی بے خوف مکانوں کو جلاتے رہے، دکانوں کو لوٹتے رہے۔ اور معصوم انسانوں کا قتل کرتے رہے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گاندھی جی کے ساتھ وابستہ اس شہر سے انسانیت رخصت ہو چکی ہے۔ محترمہ وزیراعظم نے مجھ سے کہا کہ ''بہت سے لوگ وہاں گئے ہیں اور لوٹ کر مجھے اپنی

© https://www.khwajahasannizami.life

رپورٹیں دی ہیں، لیکن مجھے تسلی نہیں ہوئی ہے، میں چاہتی ہوں کہ آپ وہاں جائیں۔ شہر میں گشت کریں اور اس بات کو دیکھیں کہ حیوانیت کے بیچ میں کیا وہاں انسانیت بھی زندہ ہے؟''

میں احمد آباد گیا۔ قریب مہینے بھر وہاں رہا۔ زخمیوں سے اسپتال میں ملا۔ مظلوموں کی دردناک کہانیاں سُن کر اُن کے آنسو پوچھے۔ قریب چھ ہزار مکان جلا دیے گئے تھے۔ اور وہاں کے سرکار کے بیان کے مطابق ساڑھے تین سو آدمی، لیکن فوجی انٹیلیجنس کے آنکڑوں کے مطابق قریب دو ہزار آدمی، اس فرقہ وارانہ فساد میں شہید ہوئے مظلوموں کی کثیر تعداد اقلیتی فرقے کی تھی۔ ایک دن گشت کرتا ہوا میں میمو بائی کی چال میں پہنچا۔ وہاں محلوں کو چال کہتے ہیں۔ میرے پہنچنے پر اس علاقے کے سوڈیڑھ سو آدمی جمع ہوگئے۔ چال کے سبھی مکان جلے ہوئے تھے۔ دو چار مکانوں سے اب بھی دھواں نکل رہا تھا۔ میں نے ان سے سوال کیا: ''کیوں بھائیو! کیا یہ سب کے سب مکان مسلمانوں کے تھے؟''

چالیس، پینتالیس برس کی عمر کے ایک صاحب نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا: ''جی نہیں یہاں پینتیس گھر مسلمانوں کے تھے اور ۱۲۰ گھر ہندوؤں کے تھے۔''

میں نے پھر پوچھا: تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بار مسلمانوں کا مجمع آیا جو ہندوؤں کے مکان جلا گیا۔ اور دوبارہ ہندوؤں کا مجمع آیا جو مسلمانوں کے مکان جلا گیا؟''

وہ صاحب بولے: ''جی نہیں! مجمع تو ایک ہی آیا تھا اور وہ ہندوؤں کا تھا۔

میں نے حیران ہو کر پوچھا: ''تو کیا ہندوؤں نے ہی ہندوؤں کا مکان جلا دیے؟''

جواب ملا: ''جی'' میں نے کہا: ''آپ کا گھر کون سا ہے؟'' انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا: ''وہ جس سے اب بھی دھواں نکل رہا ہے۔ اس میں میری رہائش بھی تھی اور دکان بھی۔ دکان موٹروں کے ٹائروں اور سائکل کے ٹائروں کی تھی۔ اسی وجہ سے دھواں اب بھی نکل رہا ہے۔''

میں نے پھر پوچھا: ''کلیان سنگھ جی! کتنے کی مالیت رہی ہوگی؟''

جواب ملا: ''مکان کی مالیت تو قریب ایک لاکھ ہی ہوگی اور دکان کی بھی کم و بیش اتنی ہی۔''

میں نے حیران ہو کر پوچھا: ''آخر ہندوؤں کے مکان جلانے کی وجہ کیا تھی؟''

کلیان سنگھ نے کہا: ''مجمع نے آکر ہم لوگوں سے پوچھا کہ ہمیں یہ بتاؤ کون سے مکان ہندوؤں کے ہیں، اور کون سے مسلمانوں کے؟ ہم ہندوؤں کے مکانوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے مکان جلانا چاہتے ہیں۔ ہم نے انھیں یہ بتانے سے انکار کر دیا۔ اس پر وہ بہت خفا ہوئے۔ اور لوگوں سے انھوں نے پوچھا۔ سب نے میری بات کی ہی تائید کی۔ بھیڑ

© https://www.khwajahasannizami.life

میں لوگوں نے چلاّ کر کہا: ''تب ہم سب مکان جلا دیں گے۔''
ہم نے کہا: ''آپ کی مرضی۔'' انھوں نے سارے مکانوں میں پڑول سے آگ لگادی۔ جب شعلے پوری طرح بھڑک اٹھے۔تب یہاں سے رخصت ہوئے۔''

میں نے پوچھا: ''کلیان سنگھ! تم نے اپنی دو لاکھ کی مالیت خاک میں ملوادی ۔ شاید زندگی بھر کی کمائی،اور یہ بتا کیوں نہیں دیا کہ تم ہندو ہو؟''

کلیان سنگھ نے پاس کھڑے ہوئے مسلمانوں سے تعارف کراتے ہوئے کہا: ''ہم اور یہ دونوں راجستھان میں سکر کے ایک ہی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ پہلے ہم ہندو یہاں آ کر بسے اور ہم نے اپنا کاروبار جمایا، اس کے برسوں بعد ہمارے مسلم پڑوسیوں نے ہم سے کہا، کیا ہم بھی آپ کے ساتھ وہاں چل سکتے ہیں اور آپ کے زیر سایہ دو روٹی کما سکتے ہیں؟ ہم نے ہامی بھری۔ وہ ہمارے بھروسے اور اطمینان پر یہاں آئے۔ اچھے کاریگر وہنر مند تھے۔ جلدی انھوں نے اپنا کاروبار کھڑا کرلیا اور اپنے گھر بھی بنالیے تو جن لوگوں سے ہمارے سیکڑوں برس کے تعلقات تھے، جو ہمارے گاؤں کے لوگ تھے جو ہمارے بھروسے پر یہاں آئے تھے،اور جنھیں ہم چچا، تاؤ، ماموں کہہ کر پکارتے ہیں، اگر ہم اپنے گھر بچا کر ان کے گھر جلوا دیتے تو پھر اوپر والے کو کیسے منھ دکھاتے؟''

میرا دل بھر آیا۔ میں اپنے کو ضبط نہ کرسکا۔ میں نے کہا: ''کلیان سنگھ! جب تک تیرے جیسے آدمی ہندوستان میں ہیں تو اس ملک سے باہمی محبت اور یک جہتی کی جڑوں کو کوئی ہلا نہیں سکتا۔''

شاید اسی لیے باوجود بڑی بڑی کوششوں کے جن میں اندرونی اور باہری، ہر طرح کی طاقتیں شامل ہیں، ہندوستان کے عوام کے دلوں سے محبت اور یک جہتی کی چاہت کوئی مٹا نہیں پایا۔ قرآن شریف میں باربار یہ دہرادیا گیا ہے۔ ''کل انسان ایک ہی واحد امت ہے۔اور کل انسانوں کی ایک ہی قوم ہے۔'' اور ''لَکُم دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنَ'' ط تمہارا مذہب تمہارے لیے اور ہمارا مذہب ہمارے لیے ہے۔
''لَا اِکْرَاہَ فِیْ الدِّیْن'' مذہب کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں۔''

فقط تفاوت ہے نام ہی کا
دراصل سب ایک ہی یارو
جو آبِ صافی کی موج میں ہے
اسی کا جلوہ حباب میں ہے

مولانا روم نے کتنی اچھی بات کہی ہے۔ تو برائے وصل کردن آمدی۔ نے برائے فصل کردن آمدی
آدمی کو دنیا میں ایک دوسرے کو میل اور محبت کے لئے بھیجا گیا ہے لڑائی اور نفرت پھیلانے کے لیے نہیں۔
(بشکریہ خدابخش لائبریری، جرنل، پٹنہ)

☆☆☆☆☆☆

© https://www.khwajahasannizami.life

خطوطِ اکبر بنام خواجہ حسن نظامیؒ۔ایک جائزہ

از:عبدالملک نظامی، ناندیڑ۔

خط عربی زبان کا لفظ ہے جو سطر، لکیر، نشان اور تحریر وغیرہ کے معنی میں آتا ہے۔لیکن زمانے کی تبدیلی اور وقت کے تقاضوں کے ساتھ اس کے معنی و مفہوم میں بھی تبدیلی آئی اور نامہ، مکتوب اور مواصلات کے معنوں میں بھی مستعمل ہونے لگا۔اصطلاحاً خط اس مختصر تحریر کو کہتے ہیں جس میں مکتوب نگار اپنے خیالات، محسوسات اور پیغامات کو دوسرے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔یعنی کوئی شخص جب اپنی بات یا پیغام لکھ کر دوسرے تک پہنچاتا ہے تو وہ خطوط نویسی یا مکتوب نگاری کہلاتا ہے۔جو بات یا پیغام لکھ کر بھیجتے ہیں اسے خط یا مکتوب کہتے ہیں اور خط لکھنے کے فن کو خطوط نویسی یا مکتوب نگاری کہتے ہیں۔اسی طرح جو شخص خط یا مکتوب لکھتا ہے وہ مکتوب نگار کہلاتا ہے اور جس کے پاس خط لکھ کر بھیجا جاتا ہے وہ مکتوب الیہ کہلاتا ہے۔

بقول مولوی عبدالحق بابائے اردو" خط دلی خیالات و جذبات کا روزنامچہ اور اسرارِ حیات کا صحیفہ ہے"

خط کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مکتوب الیہ اور مکتوب نگار دونوں ایک دوسرے کے احوال سے واقف ہوں۔لیکن وقت کی تبدیلی کے ساتھ اس میں بھی تبدیلی آئی اور ذاتی حالات کے ساتھ دیگر مسائل کو بھی خطوط میں جگہ ملنے لگی۔ خاص طور سے ادیبوں کے ذریعہ لکھے گئے خطوط میں ان کے عقائد و نظریات، ذاتی حالات کے ساتھ ساتھ اس عہد کے سیاسی ، سماجی اور معاشرتی حالات وغیرہ کا عکس صاف طور پر نظر آتا ہے۔ساتھ ہی ان کے خطوط میں علمی اور ادبی باتیں بھی ہوتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مکتوب نگاری کو ادب کا درجہ حاصل ہوا۔یقیناً اردو ادب میں خطوط نویسی کو باقاعدہ ایک صنف کی حیثیت حاصل ہے جو اپنی خصوصیات کی وجہ سے الگ شناخت رکھتی ہے۔یہ ایسی صنف ہے جسے "نصف ملاقات" کا درجہ حاصل ہے۔

رجب علی بیگ سرور نے مکتوب نگاری کی روایت میں حصہ لیا اور ان کے خطوط کا مجموعہ ''انشائے سرور'' ہے جس کی اشاعت 1886ء میں ہوئی۔اسی طرح مرزا غالب نے بھی خطوط نویسی کی روایت میں حصہ لیا اور اس روایت کو اعلیٰ مقام بھی عطا کیا۔ان کے خطوط کو جو مرتبہ ملا آج تک اس درجے کو کوئی نہ پہنچ سکا۔انہوں نے مکتوب نگاری کی روایت کو نیا رنگ عطا کیا۔ انہوں نے ہی مراسلے کو مکالمہ بنایا۔انھوں نے کسی کی پیروی نہیں کی۔ وہ اپنا راستہ خود بناتے ہیں۔ اس وقت مشکل زبان کا استعمال کرنا فخر سمجھا جاتا تھا۔لیکن غالب نے آسان، سادہ اور عام فہم زبان میں خط لکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ عبارت کی اصل خوبصورتی اس کی سادگی ہے۔انھوں نے اس سادگی میں بھی ایسا منفرد اسلوب اپنایا جو غالب کی ہی خصوصیت بنی رہی۔آج تک کوئی ان کی پیروی نہ کرسکا۔انھوں نے اپنے خطوط میں شوخی و ظرافت کا بھی سہارا لیا ہے۔اسی طرح محاورے اور کہاوت بھی جگہ جگہ دیکھنے کو ملتے ہیں جس سے ان کے خطوط مزید دلچسپ نظر

© https://www.khwajahasannizami.life

آتے ہیں۔

غالبؔ کے خطوط کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ان کی شخصیت صاف طور نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنے اوپر آنے والی مصیبتوں کا ذکر کیا ہے۔ غالبؔ اپنی مایوسی، ناکامی اور زندگی کے مختلف معمولات کو کھل کر لکھتے ہیں۔ اس وقت کی سیاسی، سماجی، معاشرتی زندگی، زوال ہوتی تہذیب، مغلیہ سلطنت کا زوال، انگریزوں کے ظلم وستم وغیرہ کو کھل کر بیان کیا ہے۔ یعنی کہ ان کے خطوط میں ان کا پورا معاشرہ اور عہد صاف طور پر نظر آتا ہے۔ غالبؔ کے خطوط کے مجموعے عود ہندی، اردوئے معلیٰ، نادرات غالب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

علامہ شبلی نے بھی خطوط لکھے۔ مکاتیب شبلی اور خطوط شبلی ان کے خطوط کے مجموعے ہیں۔ اس کے بعد محمد حسین آزاد اور نذیر احمد وغیرہ نے بھی مکتوب نگاری میں نئے نئے موضوعات کو شامل کر کے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ داغ، ریاض خیر آبادی، امیر مینائی، مہدی افادی، خواجہ حسن نظامی دہلویؒ، اکبر الہ آبادی، علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی، رشید احمد صدیقی اور ابوالکلام آزاد وغیرہ اپنے مخصوص اور نئے انداز و اسلوب سے مکتوب نگاری کی روایت کو فروغ بخشا۔

حضرت اکبر کا تعارف : حضرات، میں سب سے پہلے حضرت اکبر الہ آبادی کا مختصر تعارف پیش کرتا ہوں۔ " سید اکبر حسین نام - اکبر تخلص، قصبہ بارہ ضلع الہ آباد میں ۱۶/نومبر ۱۸۴۶ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور ابھی تعلیم مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ ایک معمولی نوکری کر لی، لیکن علم کا شوق برابر رہا۔ رفتہ رفتہ ملازمت میں بھی ترقی کرتے رہے اور اسی کے ساتھ تعلیم میں بھی۔ انگریزی زبان سیکھی اور قانون کا مطالعہ کیا۔ جب وکالت کی سند حاصل کی تو اکبر تحصیلدار تھے، پھر منصف ہوئے اور بالآخر سشن جج کے عہدہ تک پہنچے۔ 1903ء میں پنشن لے کر الہ آباد میں سکونت اختیار کی اور 9/ستمبر 1921ء میں وفات پائی۔

بقول حضرت اکبر ان کے دادا شیعہ مسلک رکھتے تھے لیکن ان کے والد سنی تھے۔ حضرت اکبر اپنے آپ کو کٹّر سنی قرار دیتے ہیں۔ اکبر صاحب کی بیوی کا تعلق شیعہ فرقے سے تھا۔ حضرت اکبر کے فرزند سید عشرت حسین صاحب اپنے آپ کو فخریہ طور پر سُنّی کہا کرتے تھے۔

حضرت اکبر ایک خط میں لکھتے ہیں کہ " اس وقت عشرت سلمہ کا خط دورے پر سے آیا ہے۔ 23/نومبر (1918ء) کا لکھا ہے۔ انگریزی میں ہے۔ ایک فقرے کا ترجمہ آپ کو سناتا ہوں۔ " میرے شیعہ ہونے کی خبر سے زیادہ کوئی خبر لغو اور مہمل اور غلط نہیں ہوسکتی۔ "

حضرت اکبر الہ آبادی سے متعلق حضرت خواجہ صاحب کی رائے :

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ اپنی آپ بیتی میں رقم طراز ہیں کہ " میرے تیسرے مصلح حضرت اکبر الہ آبادی ہیں۔ ان کی خدمت میں میری حاضری اتنی زیادہ ہوئی ہے کہ شاید ان کا کوئی دوسرا نیاز مند اس کثرت سے ان کے پاس نہ گیا ہوگا ان کی صحبت نے، ان کی گفتگو نے، انکی نصیحت نے ان کی خط و کتابت نے،

©https://www.khwajahasanrizami.life

ان کے کلام نے ، اوران کے باطنی اثر نے جو ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے اور جس کو میں ہر وقت اپنے ساتھ سمجھتا ہوں، میری زندگی کو ذرہ سے آفتاب بنا دیا۔ اب میں ان کی زبان سے بولتا ہوں۔ ان کے دماغ سے سمجھتا ہوں، اور سمجھاتا ہوں، ان کے دل سے میری خواہش پیدا ہوتی ہے، ان کی آنکھ سے دیکھتا ہوں، اور ان کے احساس سے ہر شئے کو محسوس کرتا ہوں، میری اُمید ان میں ہے، انکی نوید مجھ میں ہے، آج ان کا جسم الہ آباد کی عشرت منزل میں ہے۔ اور کل وہ وجود میری قبر کے سرہانے مدفون ہوگا۔ اگر قدرت کے نوشتہ نے اجازت دی تو میں قیامت تک درگاہ حضرت محبوب الہیؒ کے گوشہ دورلیش خانہ حلقہ المشائخ کے شمال میں حضرت اکبر الہ آبادی کے پائینتی قبر بنا کر آرام کروں گا۔ تاکہ میری ابدی زندگی اس ازل کے حرف سے وابستہ ہے۔ (افسوس ایسا نہ ہوا اور حضرت اکبر الہ آباد میں دفن ہوئے)

معنوی اور روحانی قوتیں میرے عقیدہ کی موافق انسانوں کی زندگی مرتب کرتی اور ان کی رہنما بنتی ہیں۔ میری زندگی کی تربیت اور خیالات واعمال کی رہنمائی واصلاح کا ایک بڑا حصہ حضرت اکبر الہ آبادی کی روحانی ومعنوی قوتوں سے ہوا ہے۔ اور خدا نے میری طبیعت میں ایک غیبی اور ازلی مناسبت ان کے خیالات وجذبات واحساسات سے دی ہے کہ جو ان کے دل میں پیدا ہوتا ہے بغیر ان کے اظہار واعلان کے میرے دل میں بھی خود بخود وہی لہر ظاہر ہوتی ہے۔ اور میں اس کی رہنمائی میں تقریر وتحریر کا عمل کرتا ہوں۔ میں ان کے ہر باطنی نعمت کا وارث ہوں اور وہ میری اکثر ظاہری وباطنی حالتوں کے مورث ہیں۔"

مادر هم درد: حضرت خواجہ صاحب مادر ہم درد میں لکھتے ہیں کہ "خان بہادر سید اکبر حسین مرحوم کے اشعار سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے اور ہندوستان کے باہر بھی ہر ملک میں اکبر کا نام لوگ عزت کے ساتھ لیتے ہیں۔ میں ۱۳۹۱ء میں افغانستان گیا اور وہاں کے بادشاہ نادر شاہ شہید سے ملا تو انہوں نے سب سے پہلے مجھ سے یہ پوچھا کہ آپ کو اکبر الہ آبادی کا کچھ فارسی کلام یاد ہو تو سنائیے میں نے اکبر کا یہ شعر پڑھا:

کس نمانداست کہ در بیشہ شکاری بکند
تیغ گیرد بکف دفتح دیاری بکند
اس زماں ہمت مراداں ہمیں محدود است
زنے از پردہ بروآید وکارے بکند

بادشاہ یہ شعر سن کر پھڑک گئے اور فوراً خود اُٹھ کر اندر گئے اور اپنی نوٹ بک لائے اور اس میں اکبر کا یہ شعر لکھا اور مجھ سے پوچھا کہ آپ کی ذاتی رائے اکبر کی نسبت کیا ہے؟ میں نے کہا اگر نئی تہذیب قدامت کی سب یادگاروں اور کلچر کی چھوٹی بڑی چیزوں کو نیست ونابود کردے اور فقط اکبر الہ آبادی کا کلام شاعروں کی بکواس کہہ کر کونے میں ڈال دے تو یہ کلام جادو کی طاقت سے مشرق کی قدیمی تہذیب کو پھر زندہ کر کے کھڑا کردے گا، کیوں کہ اکبر نے قدیمی کلچر کی ہر چھوٹی بڑی خوبی کو نئی تہذیب پر فائق کر دیا ہے۔ حضرت اکبر مجھ پر بہت مہربان تھے یہاں تک کہ وفات سے پہلے انہوں نے الہ آباد شہر کے عمائد کو جمع کر کے کہا کہ میں نے چار ہزار روپئے اس کام کے لئے رکھے ہیں کہ میری میت الہ آباد سے دہلی بھیج دی جائے تاکہ میں خواجہ حسن نظامی کے

© https://www.khwajahasannizami.life

خاندانی قبرستان میں دفن کیا جاؤں۔ الہ آباد کے مشہور عالم مولانا عبدالکافی صاحب نے حضرت اکبر سے کہا کہ آپ ہم سب کو ایک بڑی ذمے داری میں کیوں مبتلا کرتے ہیں۔ خود ہی دہلی چلے جایئے اور آخر وقت تک وہیں قیام کیجئے۔ حضرت اکبر کو یہ بات پسند آئی اور وہ میرے ساتھ دہلی میں آگئے اور کچھ دن میرے مکان "رین بسیرے" میں ٹھیرے رہے۔ آخر الہ آباد کی ضرورتوں کے سبب واپس گئے اور وہاں جاتے ہی انتقال ہوگیا۔ میں اُن کے انتقال کے وقت الہ آباد پہنچ گیا تھا جب پہنچا تو دیکھا کہ وہ بے ہوش ہیں اور سکرات کا عالم طاری ہے۔ اُن کے فرزند سید عشرت حسین صاحب نے کہا ابا خواجہ صاحب آگئے ہیں۔ مرحوم نے اپنا ہاتھ ذرا اونچا کیا۔ میں نے وہ ہاتھ پکڑ لیا اور دعا حزب البحر پڑھنے لگا۔ چند منٹ کے بعد اُن کی روح پرواز کرگئی۔ عشرت میاں نے کہا ابھی انہوں نے نوٹ بک میں کچھ لکھا ہے، میں نے فوراً وہ نوٹ بک دیکھی تو ان کا یہ آخری شعر نظر آیا۔

صاحب میں سب بُرائی لیکن وہ خوب چوکس
گاندھی میں سب بھلائی لیکن وہ محض بے بس
دنیا تو چاہتی ہے ہنگامہ ٹروجن
اور یاں ہے جیب خالی جو مل گیا سو بھوجن

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اکبر الہ آبادی نے زندگی کے آخر میں مہاتما گاندھی کی تعریف اور انگریزوں کی برائی تحریر فرمائی تھی۔

ایک دن میں نے حضرت اکبر سے پوچھا آپ میں یہ عجیب وغریب خیالات اشعار کے ذریعے ظاہر کرنے کی قابلیت کیوں کر پیدا ہوئی۔ فرمایا اپنے گھر کی قدیمی تربیت اور ماحول نے مجھ پر اثر ڈالا۔" حضرت اکبر سے حضرت خواجہ صاحب کی پہلی ملاقات کا تذکرہ ملا واحدی صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے۔" 1910ء میں حضرت اکبر دلی آئے حکیم اجمل خاں صاحب کی طرف سے اوکھلا نہر پر انہیں چائے پارٹی دی گئی۔ وہاں خواجہ صاحب نے حضرت اکبر کو اور حضرت اکبر نے خواجہ صاحب کو پہلی مرتبہ دیکھا۔ پہلے ہی دن دونوں ایک دوسرے کے مخلص بن گئے۔"

ابتدائی ملاقات کا ایک اہم واقعہ یوں ہے۔ 24/ اکتوبر 1910ء کو والدہ عشرت حسین کا انتقال ہوگیا۔ خواجہ صاحب سفر کرتے ہی رہتے تھے۔ الہ آباد بھی اکثر جاتے تھے اور حضرت اکبر کے ہاں ٹھہرتے تھے۔ حضرت اکبر بیوی کو سپرد خاک کر کے لوٹے تھے کہ یکایک خواجہ صاحب دلی سے الہ آباد پہنچے اور حسب دستور حضرت اکبر کے یہاں آئے۔ حضرت اکبر نے فرمایا" چلے آتے ہیں، چلے آتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ مجھ پر کیا بیت گئی۔ جایئے جایئے۔ میرے ہاں آپ کا ٹھکانا نہیں ہے میں ابھی اپنی بیوی کو دفن کر کے آیا ہوں۔ آپ کے کھانے اور ٹھہرنے کا انتظام وہی کرتی تھیں۔

حضرت اکبر کے یہ الفاظ خواجہ صاحب کے نوٹ سے نقل کئے گئے ہیں۔ ان الفاظ کو لکھ کر خواجہ صاحب فرماتے ہیں ”حضرت اکبر کے گرد مجمع جمع تھا۔ مجمع کے سامنے اس برتاؤ کے ہونے سے میں نے تکلیف محسوس کی۔ لیکن میں سنبھالا اور میں نہایت جرات سے کہا۔ مجھے خدا نے بھیجا ہے تا کہ آپ کو اس غم

اور مصیبت میں تسلی دوں۔ تیوری چڑھا کر فرمایا۔ خدا نے بھیجتے وقت اتنا نہ سوچا کہ اکبر کھانے اور ٹھہرانے کا انتظام نہیں کر سکتا۔ میں نے عرض کیا۔ خدا نے یہ بات سمجھا دی تھی کہ جہاں جوتیاں اتاری جاتی ہیں وہاں بستر بچھا لینا اور بازار سے دو پیسے کی روٹی اور ایک پیسہ کے کباب خرید کر کھالینا۔ اکبر پر بوجھ نہ ڈالنا۔"

حضرت اکبر عینک کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کچھ دیر مجھے گھورتے رہے پھر کالے خاں (ملازم) کو آواز دی اور کہا جاؤ دو پیسے کی روٹی اور ایک پیسہ کے کباب لے آؤ۔ کالے خان کباب روٹی لے آیا اور میں نے وہیں مجمع میں کباب روٹی کھالی۔ حضرت اکبر نے فرمایا۔ "خواجہ صاحب! میری آپ کی نبھ جائے گی۔ آپ نے کباب روٹی اس رغبت سے کھائی ہے جس رغبت سے مکلّف کھانے کھاتے ہیں۔"

خطوط اکبر بنام خواجہ حسن نظامیؒ:

حضرت خواجہ صاحب نے اپریل 1953ء میں خطوط حضرت اکبر الہ آبادی کا تیسرا ایڈیشن شائع کیا اور اسے اپنی بیٹی حور بانو مرحومہ کی روح سے منسوب کیا کیونکہ حضرت اکبر حور بانو کو اپنی اولاد کی طرح محبوب سمجھتے تھے۔ یہ خطوط کا سلسلہ 1911ء سے 1921ء تک مسلسل جاری رہا۔ حضرت اکبر الہ آبادی کا انتقال 9/ستمبر 1921ء کو ہوا اور حضرت خواجہ صاحب کے نام ان کا آخری خط 27/اگست 1921ء کا ہے۔

خطوط حضرت اکبر الہ آبادی کے پیش لفظ میں حضرت خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اصل حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس حضرت اکبر الہ آبادی کے بہت زیادہ خطوط تھے۔ اور ان کی وفات کے بعد میں نے ان کو شائع کرنا چاہا تو ان کے فرزند سید عشرت حسین صاحب اور ان کے بچوں کی مصلحت کے سبب وہ خطوط درج نہیں کئے جن سے انگریزی حکومت کے ناراض ہونے کا اندیشہ تھا۔"

خطوط اکبر کا تیسرا ایڈیشن: اس ایڈیشن کے پیش لفظ میں حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت مولانا سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی کے یہ خطوط آزاد ہندوستان یعنی برصغیر کے باشندگان کے لئے ایک بڑی تاریخی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ حضرت اکبر انگریزی حکومت کے نوکر تھے۔ اور آخر عمر تک پنشن پاتے تھے۔ مگر اسلام اور تصوف اور پرانی تہذیب کی حمایت میں رات دن اپنے نظم و نثر کلام کے ذریعے ہندوستان کو انگریزی حکومت اور انگریزی تہذیب کی خرابیوں سے بچنے بچانے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔"

حضرت خواجہ صاحب ان خطوط کو شائع کرنے کا مقصد ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "میں اپنے مریدوں اور دوستوں اور ہم خیالوں کو تاکید کرتا ہوں اور اپنی اولاد کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اکبر کے کلام کی روحانی اور معاشی خوبیاں دلوں پر نقش کرلیں اور ان کے کلام کو روزانہ پڑھیں۔

اس کتاب میں حضرت اکبر کے ہر خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اکبر کے کلام سے انگریز حکومت کس قدر ناراض تھی اور مجھے تین برس تک الہ آباد جانے اور حضرت اکبر سے ملنے سے اس لئے روکا جاتا تھا کہ انگریز حکومت کو شبہ تھا کہ اکبر اور حسن نظامی مل

© https://www.khwajahasannizami.life

کرانگریزی حکومت کوزیروزبرکردیں گے۔"

ڈاکٹر سر محمد اقبال اور حضرت اکبر: ان سے متعلق حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ "ان خطوط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اکبر، اقبال کی اس لئے قدر کرتے تھے کہ اقبال کی شاعری ساری اسلامی دنیا کو یورپ کی قوتوں کے خلاف متحد کر رہی ہے۔ مگر جب اقبال نے مثنوی اسرارخودی شائع کی اوراس میں حضرت حافظ شیرازیؒ کی اس لئے مخالفت کی کہ حافظ نے تصوف کی حمایت کی تھی۔ اوراقبال تصوف کو جذبہ حکم رانی کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور میں نے اقبال سے ذاتی تعلقات کے باوجود ان کی اس مثنوی سے اختلاف کیا اور اخباروں میں اس کا چرچہ ہواتو حضرت اکبر نے میرا ساتھ دیااوراقبال کی مثنوی سے اختلاف کیا۔ تاہم ان خطوط اکبر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اکبرتصوف کی حمایت کے ساتھ اقبال کے اقتدار کی سلامتی بھی ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کا یہ شعراس کی گواہی دیتا ہے۔

حضرت اقبال اورخواجہ حسن

پہلوانی اُن میں ان میں بانک پن

گرنہیں ہے زورشاہی کے لئے

آ ؤ گتھ جائیں خداہی کے لئے

یعنی اکبر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اقبال اسلامی حکومت قائم کرنے کا زورنہیں رکھتے اس لئے خواجہ حسن نظامی سے خدائی اورخودی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اکبر پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اکبر نے اقبال کی اپنے کلام میں توہین کی ہے مگر یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اکبر محض تصوف اور حافظ کی حمایت کے لئے اقبال سے ناخوش تھے مگر اکثر اشعار اور خطوط میں ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کے اثر اور اقتدار شاعری کی سلامتی چاہتے تھے۔ اکبرکو اقبال سے شاعرانہ رقابت نہ تھی۔ لہذا خطوط اکبر کے ناظرین بھی اکبراوراقبال کی خدمات ملک وملت کوموجودہ وقت میں ہروقت سامنے رکھیں۔ خاص کر بر صغیر کی حکومتوں کا فرضی ہے کہ غالب اوراکبراوراقبال کی سیاسی خدمات کوفراموش نہ کریں جن کی تاثیر سے ان کوانگریزی حکومت سے آزادی حاصل ہوئی تھی۔"

خطوط اکبر ایک دستاویز: ان خطوط کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں حضرت اکبر کی شخصیت صاف طور نظر آتی ہے۔ انھوں نے ان خطوط میں اپنے اوپر آنے والی مصیبتوں کا ذکر کیا ہے۔ اپنی مایوسی، ناکامی اور زندگی کے مختلف معمولات کوکھل کرلکھا ہے۔ اس وقت کی سیاسی، سماجی، معاشرتی زندگی، زوال ہوتی تہذیب، مغلیہ سلطان کا زوال، انگریزوں کے ظلم وستم وغیرہ کوکھل کر بیان کیا ہے۔ یعنی کہ ان کے خطوط میں اس دورکا پورا معاشرہ اورعہد صاف طور پرنظر آتا ہے۔

اس طرح یہ خطوط ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جس میں مغربی تہذیب کہ ہندوستان اورخاص طور پر مسلمانوں پراس کے اثرات، سماجی زندگی کے مختلف پہلووں، تعلیم نسواں، پردہ، معاشرت، سیاست کا تذکرہ ہے۔ ان خطوط کے ذریعہ اکبرآبادی کا عقیدہ، مسلک اوران کی مذہبی فراست کاعلم ہوتا ہے۔ اس میں حضرت خواجہ صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلووں پربھی روشنی ڈالی ہے۔

خاص طور پرتصوف سے اکبرالہ آبادی کی دلچسپی اورلگاؤ

بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ان خطوط میں حضرت اکبر کی ذاتی زندگی کے مختلف گوشوں سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت اکبر کا علامہ اقبال سے انسیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ فلسفہ خودی پر اکبر کا موقف علامہ اقبال سے کسی قدر مختلف تھا یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کا تصوف پر اعتراض اور حضرت خواجہ صاحب کا اس پر عالمانہ جواب اور موقف کا بھی تذکرہ ہے۔ حضرت اکبر کا حضرت خواجہ صاحب کی تائید کرنا اور انہیں علامہ اقبال سے مانوس کرنے کی طرف راغب کرنے کا بھی ذکر ہے۔ ادبی لحاظ سے یہ خطوط کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ جو مکتوب نگاری کا اعلیٰ فنی نمونہ ہیں۔

بقول ملا واحدی صاحب " خطوط کے ذریعہ خواجہ صاحب خردانہ مشورے مانگتے تھے اور حضرت اکبر بزرگانہ مشورے دیتے تھے۔ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا تو خواجہ صاحب جناب اکبر کے علم میں اسے ضرور لاتے تھے۔"

اگر خواجہ صاحب کے خط میں دیری ہو جاتی تو حضرت اکبر بے چین ہو جاتے اور اس کا تذکرہ کرتے اور بعض دفعہ حضرت خواجہ صاحب کے خسر حضرت صادق شہید کو خط لکھ کر خیریت دریافت فرماتے۔ ان خطوط میں ایسی بھی خط ہیں جو ایک دن میں دو مرتبہ لکھے گئے ہیں۔ ان خطوط میں عبد الماجد دریابادی اور ملا واحدی کے نام حضرت اکبر کے ایک ایک خط شامل ہیں۔

ہر خط میں حضرت اکبر حور بانو اور خواجہ بانو کا تذکرہ ضرور کرتے اور انہیں سلام دعا لکھتے۔ اس کے علاوہ خواجہ صاحب کے متعلقین کی بھی خیر خیریت دریافت کرتے ہیں۔

حضرت اکبر کا تخاطب :حضرت اکبر الہ آبادی نے حضرت خواجہ صاحب کو ان خطوط میں بہت ہی پیارے القابات سے مخاطب کیا ہے۔ جیسے مرید پرور سلامت، ڈیر خواجہ صاحب، حبیبی ومکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ، مکرمی سلمہ اللہ تعالی، مکرمی زادہ لطفہ، میرے پیارے خواجہ صاحب، مکرم مخلصان زاد لطفہ، محبّ اکبر سلمہ اللہ تعالی، عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالی، جناب من، میرے مکرم، مکرمی دام مجدکم، مکرمی دام الطافکم۔ محبوب نیاز مندان ومخدوم معتقدان سلمہ اللہ تعالے، پیارے خواجہ صاحب یا داللہ، میرے الطاف فرما، جناب معظم۔

25/نومبر 1918ء کے خط میں حضور والا سے خطاب کیا اور اس کی تفصیل میں لکھا کہ " حضور والا۔ خط لکھنے کو کاغذ اٹھایا۔ اس پر حضور والا لکھا ہوا تھا۔ پہلے خیال آیا کہ کاٹ کر معمولی القاب لکھ دوں پھر کہا کہ یہ وقت اور بدنمائی کیوں؟ کاغذ بہتیرا، اور کاغذ لے لو۔ پھر دل نے کہا کہ خواجہ صاحب کیوں حضور والا نہیں ہیں اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اُن کو حضوری دل حاصل ہے۔ جیسے 'اللہ والا' کہتے ہیں ہم اُن کو" حضور والا" کہیں۔ میں اپنے دل سے خوش ہوا۔ 13/اگست 1919ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ " ڈیر سر لکھنا چاہا تھا۔ لیکن مکرمی کے ہوتے ہوئے اس ثقالت کی کیا ضرورت، بہر حال سلمہ اللہ تعالے یاد نہیں کہ آپ کو خط لکھا یا نہیں۔"

حضرت اکبر کی خواجہ صاحب سے عقیدت :حضرت اکبر الہ آبادی کو حضرت خواجہ صاحبؒ سے جو دلی لگاؤ تھا اس کا اظہار اپنے خطوط میں ان الفاظ میں

© https://www.khwajahasannizami.life

کرتے ہیں۔

" مکرمی سلمہ اللہ تعالے۔ میں اکثر اس خیال میں رہتا ہوں کہ آپ مجھ کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ یا میں آپ کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ آپ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے۔ یا مجھ کو آپ سے زیادہ محبت ہے۔ آپ کو میری مفارقت زیادہ ناگوار ہے۔ یا مجھ کو آپ کی مفارقت زیادہ ناگوار ہے۔ گر کبھی فیصلہ نہیں کر سکتا اور فیصلہ نہ کر سکنے پر خوش ہوتا ہوں۔ مفارقت پر کیوں مجبوری ہوئی۔ کیوں ایسے اسباب پیش آئے نہایت پیچیدہ سوال ہے۔" (15/دسمبر 1916ء)

" پیارے خواجہ صاحب! خدا کے حفظ وامان میں رہیے۔ آپ کی مفارقت - میرے لئے شدید مصیبت ہے جس کو ہر وقت محسوس کرتا ہوں، خدا کا خیال سامنے آتا ہے اور کہتا ہے کہ تیری ہی کیا اور کب تک اور ان کی مستی کیا اور کب تک اخر یہ ہی پرتو کی مناسبت سے تو ان کے لئے بے چینی ہے۔ بے چینی کم کر مجھ سے دل بہلا -" (یکم جنوری 1916ء)

" مکرمی زاد لطفہ - آپ کا کارڈ نہیں ملا۔ آپ کا اظہار محبت صدمہ مفارقت کو بڑھاتا ہے۔" (5/فروری 1917ء)

" مکرمی سلمہ اللہ تعالے۔ آپ کے شوقیہ خط سے دل خوش ہوا۔ آپ کو صرف شوق محبت ہے۔ مجھ کو اس کے علاوہ شدید ضرورت بھی ہے کہ بقیہ انفاس زندگی کسی ہم درد، ہم رنگ محبّ کے پاس گزریں اور ایسا آپ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ لیکن عجب پیچ پڑ گئے ہیں۔ کچھ واقعی، زیادہ تر وہمی، میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کی نگرانی کے ساتھ مہمان کی نگرانی بھی ہوگی اور مہمان کیسا کہ برائے خود محل نظر ہو۔" (2/مارچ 1916ء)

پہلا خط

مرید پیر در سلامت - ارادت دلی۔ کوئی عنایت نامہ آپ کا نہیں پہنچا، خوشی ہوئی کہ آپ اچھے ہیں، خدا اچھا رکھے " اب کوئی صورت آنے کی نظر نہیں آتی" اس سے بہت مایوسی ہوئی، ہاشم کے سبب سے مقید ہوں کسی تعطیل میں ان کو ساتھ لے کر آ سکتا ہوں، بہت گھبراتا ہوں کہ کیا کروں۔ حور بانو کو دعا۔

خاکسار - اکبر۔ 17/جنوری 1911ء

(چونکہ کانپور کی مسجد توڑنے کے خلاف میں نے جامع مسجد میرٹھ میں کہو تکبیر عنوان سے بہت سخت تقریر کی تھی اس لئے یو پی کے لیفٹنٹ گورنر سر جیمس مسٹن نے میرا الہ آباد جانا بند کر دیا تھا۔ حسن نظامیؒ)

دوسرا خط

مکرمی

سب سے پہلے میں حور بانو سلمہا کی خیریت پوچھوں گا، آپ نے عجب حسرت انگیز لفظوں میں اس کی علالت کی خبر لکھی تھی۔ میں تو تار دیتا لیکن دوران سر تھا پڑا رہ گیا۔ میں بھی پیچش میں مبتلا تھا۔ دو دن سے کچھ افاقہ ہے۔ آپ نے خوب سیریں کیں۔ حضرت اقبال کی مشغولی فی الطاعۃ سے نہایت خوشی ہوئی اس سے دل لگ جائے تو سلطنت ہیچ ہے۔

چو مجنون سر برآور از تہ خاک
ندا آمد بد واز ایزد پاک
کہ اے مجنوں چہ آوردی بدرگاہ

برآمد از دل مجنوں یکے آہ
کہ چنداں شور لیلا در سرم بود
کجا پروائے روز محشر بود

جب لیلا کے تصور میں یہ محویت تھی تو لیلا آفریں کی محبت میں کیا کچھ نہیں ہوسکتا۔ میں ان کو مبارک باد لکھوں گا۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں وہ مجھے اصرار و شوق کے ساتھ مدعو کرتے ہیں۔ میری باسیری و معذوری کے حالات سے وہ آگاہ نہیں ہیں خدا مسبب الاسباب ہے شاید نجات پا جاؤں۔ میر نیرنگ صاحب کو بھی مبارک باد دوں گا۔ خطاب لسان العصر تو انہی کا عطا کیا ہوا ہے۔ اللہ ان کو فرید عصر کرے۔ آپ کے بھی بڑے مراتب ہیں کہ آپ طاعت گزاروں کے عاشق و طالب ہیں۔

میں نے ایک مقطع کہا تھا

ناز ہے اپنی طبیعت پہ ہمیں اے اکبر
ہیں مصیبت میں اور اللہ سے خوش رہتے ہیں

دعا فرمایئے کہ اسی پر استقامت ہو۔ حضرت علیؓ کے مقولہ پر مطمئن ہو کر آپ بیٹھ رہے۔ خدا کرے امام آخر الزمان اشارت فرمائیں کہ اکبر سے مل آ۔ زمیندار صاحب نے مجھ کو بھی ایک اسامی سمجھ رکھا ہے۔ تار پر تار آئے کہ پیغمبر نمبر کے لئے کچھ بھیجئے۔ اول تو پیغمبر پر نمبر کیسا۔ لیکن اس خیال سے چپ ہو رہا

عہد انگلش میں ہے ہر چیز کے اندر نمبر
کیا تعجب ہے جو نکلا پیمبر نمبر

اچھا نہ تھا۔ طبیعت حاضر نہ تھی۔ بالآخر چار مصرعے لکھ بھیجے۔

مہر و مہ خوش ہیں روز خوش شب خوش
وحشی دشت خوش مہذب خوش
ہیں غرض آپ کی ولادت سے
مسٹر ابلیس کے سوا سب خوش

حور بانو کی خیریت لکھیئے، آیئے تو اس کو ساتھ لایئے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ 29/فروری 1912ء

(میں نے حضرت اکبر کو لکھا تھا کہ میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسے میں گیا تو ڈاکٹر محمد اقبال کے ہاں ٹھہرا تھا ان کو اور میر نیرنگ کو عبادت گزار پایا تھا۔ حسن نظامیؒ)

نوٹ :درج ذیل خط بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ نثر میں نظم ہے۔ حسن نظامی نے لکھا تھا میرا گھوڑا مر گیا۔ تانگہ ٹوٹ گیا۔ اس کے جواب میں یہ موتیوں کا مینہ برسا ہے۔

جناب من۔

گھوڑا مر گیا۔ تانگا ٹوٹ گیا۔ کیا اچھے فقرے تھے مزا آ گیا۔ شکستہ حالی بحال - داتا کا خیال - فقر کا رنگ۔ طاعت کی امنگ اللہ ہی کے آگے ہاتھ۔ زندگی کے لئے دنیا کا زبانی ساتھ۔ درویشوں کا جتھا۔ حق حق اور برہم کتھا۔ خواجہ جئیں لاکھ برس۔ اللہ بس۔ باقی ہوس۔ (اکبر۔ الہ آباد-3/ستمبر 1918ء)

اپنی بات کو حضرت اکبر کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

حسن نظامی کو میں نے دیکھا شریف خصلت فقیر طینت
عمل ہے اپنے ہی عنصروں میں اگرچہ دہلی کی ہے ذہانت

(حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے سالانہ عرس مورخہ 15/جون 2025ء کو خواجہ ہال میں منعقد سیمینار میں پڑھا گیا مقالہ)

☆☆☆☆☆

© https://www.khwajahasannizami.life

حلقۂ نظامیہ

© https://www.khwajahasannizami.life

vivo V29e
Jul 29, 2025 20:41

citi

citi

هوالکل
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
یامعین
۸۱۱ واں سالانہ جشن یوم ولادت
سر سلسلۂ نظامیہ نازشِ دودمانِ چشتیہ وارثِ انبیاء زیب و زینتِ سجادۂ نبوی خواجۂ
راستین لقب یافتۂ رحمت رحمۃ للعالمین سلطان المشائخ
حضرت خواجہ سیّد نظام الدّین اولیاء محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ
بتاریخ: 19 اور 20 اگست 2025 کی درمیانی شب میں یعنی آخری چہار شنبہ۔
بعد نماز عشاء فاتحہ اور لنگر، حجرۂ قدیم حضرت خواجہ سید حسن نظامیؒ روبرو درگاہ حضرت امیر خسروؒ۔
رات 09:30 بجے محفل سماع صحن درگاہ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ۔
رات 01:00 بجے غسل مزار شریف، جس میں عطر گل وچادر عریق گلاب اور صندل پیش کیا جائے گا۔
بعد نماز فجر فاتحہ اور تقسیم تبرکات صحن درگاہ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ۔
دعاگو:
جانشین فخر دلی حضرت خواجہ سید حسن ثانی نظامی دہلویؒ
خواجہ سید محمد نظامی دہلوی
سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ، نئی دہلی۔
MOBILE: 9810020922

© https://www.khwajahsannizami.life